

وَالْكَوَالِي مِّنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ (سورة نور آیت 32، پارہ 18)

النَّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (الحديث)

کتاب النکاح

تأليف

حضرت مولانا مفتی
شاہ صاحب
سید مختار الدین

خليفة مجاز

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب
تور اللہ مرقدہ





طبع 2013ء

تعداد 1100

ملنے کے پتے

مفتی عبید اللہ صاحب (المصور جزل اسٹور)

جامعہ ذکر الہ دارالایمان، کربوہ شریف کوہاٹ۔

فون نمبر: 0302-8022313 / 0925-662313

حاجی عبدالسلام صاحب

دارالایمان، ایمان منزل، مکان نمبر B-375، بلاک 10، فیڈرل بی ایریا کراچی۔

فون نمبر: 0321-3040666

ضیاء الرحمن صاحب

مکتبہ انوار القرآن، محلہ جنگی، قصہ خوانی بازار، پشاور۔

فون نمبر: 0300-5722681

شبیر احمد خان صاحب

جامعہ ذکر الہ للعلوم الاسلامیہ، ولی آباد، بیرون کوہاٹی گیٹ، پشاور شہر۔

فون نمبر: 03005902003

مولانا ذبیح اللہ صاحب

دارالایمان والتقویٰ، سورانی، بنوں۔

فون نمبر: 0928630062، 0331-2441353

محمد وقاص صاحب

مکتبہ اسلامیہ کمال پلازہ، دکان نمبر 4، کوہاٹ۔

فون نمبر: 0332-8829000

سعید قصوری صاحب

مکتبہ دارالایمان نزد پرانی چنگی، نظام پورہ روڈ، قصور۔

فون نمبر: 0300,0321-6581661

مولانا ظہور احمد عباسی صاحب

دارالایمان بالمقابل مسجد صدیق اکبر الہ آباد سڑک 3 راویل پنڈی۔

فون: 0321-2032856

کتاب النکاح

تالیف

حضرت مولانا مفتی

شاہ صاحب
سید مختار الدین

خلیفہ مجاز

برکۃ العرش الحدیثیہ خیر مولانا محمد زکریا صاحب
برکۃ اللہ مرقدہ



کل صفحات 128



مطبع

القادر پرنٹنگ پریس 021-32722272

صفحہ نمبر	عنوان
۱.....	نکاح کا بیان !
۲.....	نکاح کے فضائل و فوائد !
۳.....	بے نکاح مردوں، عورتوں کی شادیوں میں رکاوٹیں !
۳.....	نکاح سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے !
۴.....	نیک فقیر کے لئے خوشخبری !
۵.....	تنبیہ !
۵.....	حالت فقر میں نکاح !
۵.....	جوانوں کو نبی کریم ﷺ کی ہدایت !
۶.....	نکاح نصف دین کی تکمیل ہے !
۶.....	شادی انبیاء کرام کی سنت ہے !
۷.....	نکاح صرف انسانی ضرورت نہیں بلکہ باعث اجر و ثواب ہے !
۸.....	نکاح کیسی عورت سے کرنا چاہیے ؟
۸.....	دیندار عورت کے ساتھ شادی کریں !
۹.....	لڑکے میں کیا صفات دیکھنی چاہئیں ؟
۱۰.....	حسن اور مالدار کوئی عیب نہیں !
۱۱.....	نکاح پہلے سے مخطوبہ کو دیکھنا !
۱۳.....	دیکھنے میں اخلاص و اعتدال !
۱۴.....	مرد کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنی چاہئے !

۱۴..... ضروری معلومات کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کریں !

۱۵..... میاں، بیوی میں طبعی محبت نہ ہو تو اسے بیان نہ کریں !

۱۵..... نکاح میں مہر ضروری ہے !

۱۶..... مہر کا مقصد !

۱۷..... عورت اور اس کے خاندان والوں کو چاہئے کہ مہر کو بارگراں نہ بنائیں !

۱۸..... ﴿مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ کا مقصد !

۱۹..... جنسی تعلقات کے بارے میں قرآن کا اعلان !

۱۹..... مروجہ متعہ کسی بھی آسمانی دین میں جائز نہیں رہا !

آنکھیں بند کر کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارو،

۲۰..... اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے !

۲۱..... متعہ کا بیان، تعریف اور اس کے متعلق علماء و فقہاء کے اقوال !

۲۲..... متعہ کی دوسری تعریف !

کیا نبی کریم ﷺ کے دور میں عارضی طور پر جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی،

۲۳..... کیا اس کی صورت مروجہ متعہ کی تھی؟

۲۴..... مروجہ متعہ !

۲۶..... شہوت کی تسکین کے لئے صرف دو ہی طریقے ہیں !

۲۷..... ابتدائے اسلام میں متعہ کی کوئی صورت جائز تھی؟

۲۸..... لفظ متعہ کے معنی !

۲۹..... نکاح مؤبد اور نکاح موقت !

۳۳..... نکاح موقت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے

۳۶.....	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قیاس پر ایک نظر!
۳۸.....	نکاح، متعہ نکاح کے دائرے سے کب اور کیوں خارج ہوا؟
۳۹.....	متعہ بمعنی نکاح موقت قطعی حرام ہے!
۳۹.....	حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے قیاس سے رجوع فرمایا ہے!
۴۲.....	نکاح متعہ کی حرمت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے!
۴۳.....	نکاح متعہ کی بحث کا خلاصہ!
۴۴.....	نکاح اعلانیہ ہونا چاہئے!
۴۵.....	نکاح اور رخصتی کے وقت ولیمہ!
۴۷.....	ولیمہ کی دعوت کو بلا وجہ رد نہیں کرنا چاہئے!
۴۸.....	نکاح و شادی کو مشکل کام نہ بنائیں!
۵۰.....	مروجہ جہیز ایک بری رسم اور ہندو وانہ رواج ہے اور اسلام بری رسم کو برداشت نہیں کرتا!
۵۱.....	مروجہ جہیز کی خرابیاں!
۵۲.....	رسم جہیز کا علاج!
۵۳.....	نکاح اور شادی کو ہم نے مشکل بنا دیا ہے!
۵۳.....	سادگی سے نکاح کرنے کا ایک واقعہ!
۵۴.....	یہ سادگی آپ بھی اختیار کریں!
۵۴.....	حضرت جابر کو نواز نے کا واقعہ!
۵۵.....	سادگی سے نکاح کا دوسرا واقعہ!
۵۶.....	دوسروں کو بلانے کا اہتمام!
۵۷.....	آج ہم نے حلال کو مشکل بنا دیا!

۵۷.....	نکاح کے مسائل نکاح کی شرعی حیثیت !
۵۸.....	محرمات یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے !
۵۸.....	محرماتِ ابدیہ !
۵۹.....	حرمتِ نسب !
۵۹.....	حرمتِ مصاہرت !
۶۰.....	حرمتِ رضاعت !
۶۲.....	رضاعت کی مدت اور اس کا حکم !
۶۳.....	وہ محرمات جن کی حرمت ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ کسی وقت تک ہے !
۶۵.....	جمع کی تفصیل !
۶۵.....	دوسرا یہ کہ محارم کو جمع کرنا !
۶۶.....	تین طلاق کے بعد !
۶۶.....	تعلق حق غیر !
۶۶.....	تنبیہ !
۶۷.....	کفر !
۶۷.....	کافر، غیر مسلم عورت کے ساتھ نکاح !
۶۷.....	کن اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے ؟
۷۳.....	نکاح کا مسنون اور مستحب طریقہ !
۷۵.....	نکاح کے انعقاد اور صحیح ہونے کے لئے ضروری چیزیں !
۷۵.....	ایجاب و قبول کیا ہے ؟
۷۵.....	ایجاب و قبول کی صحت کے لئے ضروری چیزیں !

۷۷.....	عقدِ نکاح میں گواہوں کی ضرورت !
۷۹.....	عقدِ نکاح کی گواہی کے بارے میں تفصیل !
۸۰.....	وکیل کے ذریعے عقدِ نکاح کا طریقہ !
۸۱.....	نکاح کے وقت زوجین میں برابری کا خیال رکھیں !
۸۱.....	کیا معیارِ فضیلت حسبِ نسب وغیرہ ہیں ؟
۸۲.....	کفایت لڑکی اور ولی دونوں کا حق ہے !
۸۲.....	کفایت اور برابری کے اسباب !
۸۳.....	نکاح میں ولی اور زوجین کے اختیارات !
۸۳.....	نکاح میں اصل اختیار لڑکے اور لڑکی کو ہے !
۸۳.....	نکاح میں ولی اور سرپرست کی ضرورت !
۸۶.....	نکاح میں ولی کے نظر انداز ہونے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں !
۸۷.....	لڑکی، لڑکے کی مرضی کے بغیر نکاح کرنے کی خرابیاں !
۸۸.....	ازدواجی زندگی خوشگوار کب ہوگی ؟
۸۹.....	ولی اور اجازت کے مسائل !
۹۰.....	اولیاء کی ترتیب !
۹۰.....	نکاح کے معاملے میں عاقلہ، بالغہ کو مجبور نہیں کیا جاسکتا !
۹۱.....	نابالغہ لڑکی کا نکاح !
۹۳.....	نابالغہ کے لئے خیارِ بلوغ !
۹۳.....	خیارِ بلوغ کا حق اور اس کا استعمال !
۹۴.....	فقہاء کی رائے !

۹۴.....	احناف کے دلائل !
۹۵.....	قاضی شریح رحمہ اللہ !
۹۶.....	احناف کی دلیل پر ایک ناقدانہ نظر !
۹۸.....	حالات کا تقاضا !
۹۹.....	خیار بلوغ کے لئے اصول اور طریقہ کار !
۱۰۱.....	باکرہ کا اختیار کب ختم ہوگا ؟
۱۰۲.....	خیار بلوغ سے ناواقفیت !
۱۰۳.....	جہل ایک شرعی عذر !
۱۰۵.....	مہر کا بیان !
۱۰۵.....	مہر کی اقسام اور احکام !
۱۰۷.....	نکاح کا فرک کا بیان !
۱۰۸.....	نکاح اور شادی کے سنن و آداب !
۱۰۹.....	عورت سے ملنے اور مباشرت کے متعلق ہدایات و احکام !
۱۱۱.....	چار بیویوں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت !
۱۱۲.....	زوجات یعنی بیویوں میں برابری کا بیان !
۱۱۳.....	بیویوں میں برابری کے مسائل !
۱۱۴.....	میاں بیوی میں اختلاف کا بیان !

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مرض ناشی

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی تالیف ”جواہر الاسلام“ اسلامی مسائل و فضائل اور معلومات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے جس میں عقائد، عبادات، معاملات اور اسلامی نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اہم مضامین تفصیل کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں لیکن عوام الناس کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اختصار اور تسہیل کے ساتھ ”جواہر الاسلام“ کی تمام تر پیچیدگیوں اور مشکل گھٹیوں کو سلجھا کر عوامی ذوق کے سانچے میں ڈھال کر مزید آسانی اور عام فہم بنا کے ”عطر الاسلام“ کے نام سے الگ ایک مجموعہ مرتب فرمایا ہے دونوں مجموعے کئی حصوں پر مشتمل ہیں اور دونوں کے بعض حصے چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں اور بعض ان شاء اللہ تعالیٰ تسوید و تبیض کے مراحل سے گزر کر زیور طبع سے آراستہ ہو کر یکے بعد دیگرے منظر عام پر آتے رہیں گے۔

زیر نظر کتاب ”جواہر الاسلام“ کا ایک حصہ ہے۔

نکاح کا بیان!

نکاح و شادی کا مقصد یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت میں پاکیزہ رشتہ قائم کرے اور باہم وابستہ ہو کر عفت و پاکبازی کے ساتھ سکون و مسرت کی زندگی بسر کریں اور ان سے اولاد کا پاکیزہ سلسلہ بھی چلے۔ نکاح انسانوں کو آپس میں ملانے کا ایک بہت اہم اور بہترین ذریعہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (سورہ

روم: ۲۱)

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے۔ (مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد) تاکہ تمہیں ان سے سکون ملے اور تمہارے درمیان محبت و رحمت کا جذبہ پیدا کیا۔“

اللہ تعالیٰ اسی محبت و مودت کے ذریعے اجنبیوں کو ملا کر اس طرح پیوست کر دیتے ہیں کہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد اور شریک رنج و راحت بن جاتے ہیں۔ جب میاں، بیوی یک جان ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان محبت و ہمدردی ہو جاتی ہے تو یہ دو (۲) کا ملنا نہیں ہوتا بلکہ اس سے خاندان کے خاندان جڑ جاتے ہیں۔ خاوند کے عزیز بیوی کے عزیزوں سے اور بیوی کے عزیز خاوند کے عزیزوں سے جڑ جاتے ہیں، لیکن نکاح و شادی کے فوائد و برکات انسان کو پوری طرح اس وقت حاصل ہو سکتی ہیں جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر پوری طرح عمل کرے۔ نکاح کے فرائض و شرائط اور باہمی حقوق اور نکاح و شادی کے آداب کی پوری طرح رعایت کی جائے۔ ورنہ جس قدر اسلامی تعلیمات سے ہٹ کر نکاح ہوگا اس قدر مفسد اور خرابیاں و فسادات ہوں گے اور سکون و راحت کی بجائے بے چینی، بے اطمینانی اور مصیبتوں کا سامنا ہوگا اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے۔ ازدواجی زندگی کے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں۔ وہ تو ان شاء اللہ ”حقوق کے بیان“ میں اپنی جگہ حقوق العباد میں آئیں گی۔ البتہ اس باب میں نکاح کے متعلق ضروری مسائل بیان ہوں گے۔ اس سے قبل نکاح کے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں چند فضائل اور آداب ملاحظہ کیجیے۔

نکاح کے فضائل و فوائد!

﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالضَّالِّحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَأَمَّاكُمْ ط إِنَّ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورہ نور: ۳۲)

”اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں، تمہارے غلاموں، کنیزوں (اور ماتحتوں) میں سے جو صالح (اور نکاح کے لائق) ہوں۔ سب کے نکاح کرادو، اگر وہ تنگدست ہوں تو (فکر نہ کریں) اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔ (وہ سب کی ضرورت کو جانتا ہے اور ان سے پوری طرح واقف ہے۔

اس آیت کریمہ سے پہلے مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ پاک دامن رہیں۔ اپنی نظروں اور اپنی شرمگاہوں کی پوری حفاظت کریں اور عورتیں اپنی زینت کی چیزوں یعنی زیور وغیرہ کا اظہار نامحرم لوگوں کے سامنے نہ کریں۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ایک حل بھی بتلایا ہے کیونکہ دین اسلام، دین فطرت ہے۔ وہ معاشرے کو پاکیزہ رکھنے اور بے حیائی سے بچانے کے لئے صرف وعظ ہی پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے متعلق عملی طریقہ و تدبیر اور اس کا حل بھی بتلاتا ہے۔ چونکہ معاشرے کے اندر بے حیائی اور بدکاریوں کے لئے ایک وسیع دروازہ یہ چیزیں بھی کھولتی ہیں تاکہ اس سے بہت سے عورتیں شوہروں سے محروم اور بہت سے مرد بیویوں سے محروم ہوں۔ اس سے ناجائز تعلقات کے امکانات بہت زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ تہمتوں کے پھیلانے کے لئے شیطان اور شریر لوگوں کو مواقع بھی ہاتھ آتے ہیں۔ اس کے سدباب کے لئے اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں یہ حکم دے رہے ہیں کہ مسلمان ایسے مرد اور ایسی عورتوں کے لئے فکر مند رہیں جو ابھی تک غیر شادی شدہ ہیں۔ ان کے متعلق لوگوں میں احساس پیدا کریں اور ایسے مردوں، عورتوں کا نکاح کرانے، ان کے گھروں کو آباد کرنے کا انتظام کریں۔ یہ حکم صرف آزاد مردوں اور عورتوں کے لئے نہیں بلکہ غلام مردوں، کنیزوں اور تمام ماتحتوں کو بھی شامل ہے۔ چونکہ وہ بھی انسان ہیں، اگر وہ اس معاملے میں ان ماتحتوں کی اعانت نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔

بے نکاح مردوں، عورتوں کی شادیوں میں رکاوٹیں!

بے نکاح مردوں عورتوں کی شادیوں میں ایک بڑی رکاوٹ خاندانی برادری اور قبیلوں کے غلط رسم و رواج ہیں۔ بعض خاندانوں اور برادریوں میں بیوہ عورتوں اور مطلقہ عورتوں کے نکاح کو معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ دوسری بڑی رکاوٹ جہیز کا ہندوانہ رواج ہے جسکی وجہ سے غریب لڑکیوں کے رشتے رکے ہوئے ہیں۔ علماء اور دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان غلط رسومات کے متعلق عوام میں احساس پیدا کریں تاکہ وہ عقد بیوہ اور جہیز کے معاملے میں عار محسوس نہ کریں۔

تیسری بڑی رکاوٹ غربت اور ذریعہ معاش کی عدم دستیابی ہے۔ لڑکی والے چاہتے ہیں کہ لڑکا مالدار ہو یا اس کا کاروبار ہو اور لڑکے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکی کے والدین امیر اور مالدار ہوں تاکہ لڑکا ان کے اموال سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ بعض والدین اسی وجہ سے اپنے بچوں کی شادی سے ہچکچاتے ہیں کہ ان کا کاروبار نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ فکر مندی کی بات نہیں، کیونکہ فقر اور تو انگری عارضی چیزیں ہیں۔ لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں اگر شریف اور قابل قدر رشتہ مل رہا ہے تو قبول کر لو۔ باقی رہی فقر و غربت تو اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ وہ اس غربت اور بے روزگاری کی حالت کو چاہے تو ایک سیکنڈ میں دور کر سکتا ہے۔

نکاح سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے!

نکاح کی وجہ سے فقر و فاقے میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اگر نکاح صحیح نیت کے ساتھ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے رزق و فضل میں اضافہ کرتا ہے اور اس کی وجہ سے رزق میں وسعت آتی ہے۔ بلاشبہ جو آدمی اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے نکاح کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہوتی ہے۔ وہ اپنے فضل و کرم سے اس کی دستگیری فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُهُمُ الْمَكَاتِبُ الَّتِي يُرِيدُ الْإِدَاءَ وَالنَّكَاحُ الَّتِي يُرِيدُ الْعِفَافَ

وَالْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.))

”تین شخص ایسے ہیں جن کی اعانت و مدد کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ (ایک) وہ مکاتب جو زیر مکاتب ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ (دوسرا) وہ نکاح کرنے والا جسکی غرض پاک دامن رہ کر عفت کی زندگی گزارنا ہو۔ (تیسرا) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔“

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، جلد ۲، صفحہ ۲، کتاب النکاح فی فضیلتہ، مطبع مجیدی کانپور)

نیک فقیر کے لئے خوشخبری!

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ مذکورہ آیت:

﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں ﴿مِنْ فَضْلِهِ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

اس میں اُن غریب فقیر مسلمانوں کے لئے بشارت ہے جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے نکاح کرنا چاہتے ہیں مگر وسائل مالیہ ان کے پاس نہیں کہ جب وہ اپنے دین کی حفاظت اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے کی نیت صالحہ سے نکاح کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو مالی غنا بھی عطا فرمادیں گے اور اس میں ان لوگوں کو بھی ہدایت ہے کہ جن کے پاس ایسے غریب لوگ منگنی کے لئے جائیں تو وہ محض ان کے فی الحال غریب، فقیر ہونے کی وجہ سے رشتے سے انکار کر دیں۔ مال آنے جانے والی چیز ہے، اصل چیز صلاحیت عمل ہے اگر وہ ان میں موجود ہے تو ان کے نکاح سے انکار نہ کریں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس میں آزاد، غلام سب کو داخل فرمایا ہے اور نکاح کرنے پر ان سے غنا کا وعدہ فرمایا ہے۔ (ابن کثیر) اور ابن ابی حاتم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نکاح کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو تو اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ غنا عطا فرمانے کا کیا ہے وہ پورا فرمادیں گے پھر یہ آیت پڑھی: ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ﴾ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ: تم غنی ہونا چاہتے ہو تو نکاح کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ﴾۔ (رواہ ابن جریر و ذکر البغوی عن عمر بن الخطاب، ابن کثیر)

تنبیہ!

تفسیر مظہری میں ہے کہ: ”یہ یاد رہے! کہ نکاح کرنے والے کو غنا اور مال عطا فرمانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی حال میں ہے جبکہ نکاح کرنے والے کی نیت اپنی عفت کی حفاظت اور سنت پر عمل ہو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد ہو۔ اس کی دلیل اگلی آیت کے یہ الفاظ ہیں:

﴿وَلَيْسَتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾

یعنی ”جو لوگ (مال و اسباب کے لحاظ سے) نکاح پر قدرت نہیں رکھتے (اور نکاح کرنے میں یہ خطرہ ہے کہ بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو جائیں گے) ان کو چاہیے کہ عفت اور صبر کے ساتھ اس کا انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے (اس صبر کے لئے ایک تدبیر بھی حدیث میں یہ بتلائی گئی ہے کہ کثرت سے روزے رکھا کریں)۔“ (معارف القرآن: جلد ۲، صفحہ ۴۱۲)

حالت فقر میں نکاح!

نبی کریم ﷺ نے فقر و تنگ دستی کو کبھی ڈھال نہیں بنایا اور نہ اس کی بنا پر کسی کو نکاح کی اجازت دینے میں پس و پیش سے کام لیا۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں کہ جس میں صحابہ کرامؓ کو انتہائی فقر و فاقہ کے عالم میں نہ صرف نکاح کی اجازت دی بلکہ حکم فرمایا مثلاً: ایک صحابیؓ کے پاس صرف لوہے کی انگوٹھی تھی۔ آپ ﷺ نے شادی کا حکم فرمایا اور وہی انگوٹھی مہر میں دینے کا کہا۔ ایک صحابیؓ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی شادی قرآن کریم کی تعلیم پر کرادی۔ لہذا نکاح کے بارے میں ایسے اوہام اور وساوس میں مبتلا نہ ہوں کہ اب کچھ نہیں۔ اگر شادی کروں گا تو بیوی اور بال بچوں کی خوراک و پوشاک کا انتظام کیسے کروں گا، ایسی حالت میں ایمان و تقویٰ کی دولت سے اپنے آپ کو مالا مال کرنے کی کوشش کریں۔ شادیوں میں دیر نہ کریں۔ ان شاء اللہ! اللہ تعالیٰ فقر و تنگی سے نکال کر آسانیاں پیدا فرمائے گا۔

جوانوں کو نبی کریم ﷺ کی ہدایت!

جو لوگ نکاح کرنے کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے۔ انہیں نبی کریم ﷺ نے روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْضُ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ))

”اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت اور قدرت رکھے، وہ نکاح کر لے کیونکہ بلاشبہ نکاح نگاہ کو نیچے رکھنے اور (حرام کاری سے) شرمگاہ کی حفاظت کا سبب ہے اور جو شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا، اس کو چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی شہوت کو مغلوب کر دے گا۔“ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۲، کتاب النکاح فی فضیلتہ... مطبع مجیدی کانپور)

نکاح نصف دین کی تکمیل ہے!

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي))

”جب بندے نے نکاح کر لیا تو اس نے آدھے دین کی تکمیل کا انتظام کر لیا۔ اب باقی نصف دین میں اللہ تعالیٰ کے لئے تقویٰ اختیار کرے۔ (اور اس سے ڈرے تو دین کے اس حصے کی بھی حفاظت ہو جائے گی)۔ (بیہقی، مشکوٰۃ شریف، جلد ۲، صفحہ ۳، النکاح فی فضیلتہ)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ دین میں فساد ڈالنے والی چیزیں دو (۲) ہیں اور انہی کی وجہ سے انسان زیادہ گناہوں میں پڑتا ہے۔ ان میں سے ایک پیٹ کی خواہش اور دوسری شرمگاہ کی خواہش ہے اور گناہوں کے بڑے حصے کا تعلق جنسی میلان ہی سے ہے۔ جب کوئی بندہ نکاح کر لیتا ہے تو شرمگاہ کی خواہش کے سبب وہ گناہ اور صادر ہونے والی بے احتیاطیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ اب اس کے پاس بچنے کا ذریعہ موجود ہے اگر یہ زیادہ بد بخت اور شقی النفس نہیں تو نکاح کی وجہ سے اس کا رشتہ شرمگاہ کے گناہوں سے خود بخود کٹ جاتا ہے۔ اب اسے چاہئے کہ پیٹ و حُب جاہ کی خواہش کی وجہ سے بے راہ روی میں مبتلا ہونے کی بجائے اللہ سے ڈرے اور حرام کمائی اور ناجائز طریقے سے عزت و شہرت کے حصول سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔

شادی انبیاء کرام کی سنت ہے!

نکاح و شادی زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں اور نہ ہی محض دنیا داری کی چیز ہے۔ شادیاں تو خود حضرات

انبیاء کرام نے بھی کیس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں اور ان کو بیویاں اور اولاد عطا فرمائیں

ہیں۔“ (سورۃ الرعد: ۳۸)

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انبیاءؑ کی فضیلت بیان کرتے اور ان پر اپنا احسان ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ”ہم نے ان کو بیوی بچے عطا فرمائے ہیں۔“ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی مدح و تعریف میں بھی اس آیت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ انہیں ایسے بیوی، بچے عنایت فرمائے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾

”اور (اللہ کے بندے وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ایسے بیوی، بچے عطا فرما جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں۔“ (سورۃ فرقان، تفصیل کے لئے دیکھئے ”احیاء العلوم“:

جلد دوم)

نکاح صرف انسانی ضرورت نہیں بلکہ باعث اجر و ثواب ہے!

نکاح صرف انسانی ضرورت نہیں بلکہ حدیث میں اسے انبیاء کرامؑ کی سنت میں شمار کیا ہے نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ((مَنْ سُنَّتِي النَّكَاحُ)) ”میری زندگی میں سے (ایک سنت اور طریقہ) نکاح بھی ہے۔“ (دیکھئے! مجمع الزوائد: جلد ۴، صفحہ ۲۵۵، منشورات مؤسسۃ المعارف بیروت لبنان)

بلکہ متعدد احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جن صحابہ کرامؓ نے باوجود قدرت و طاقت کے بے نکاح رہنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے سختی سے اس رویے کی تردید فرمائی۔ یہاں پر بطور نمونہ ان میں سے چند روایات کو اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔

(۱): حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو بہت سختی سے اس

بات سے منع کرتے تھے کہ ہم بے نکاح ہو کر عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور فرما رہے تھے کہ تم لوگ

شادی کر لیا کرو۔ (بلوغ المرام لابن حجر، کتاب النکاح صفحہ ۲۸۹)

(۲): حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ عکاف بن بشر تمیمیؓ ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا! تو نے شادی کی ہے؟ حضرت عکافؓ نے جواب دیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا! لونڈی ہے؟ حضرت عکافؓ نے جواب دیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ (نکاح پر قدرت رکھتے اور) خوشحال بھی ہو۔ صحابی نے عرض کیا: ”میں خوشحال ہوں“۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا پھر بھی تم نے شادی سے گریز کیا، تب تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی شادی کریمہ بنت کلثوم سے کرادی۔ (مجمع الزوائد، کتاب النکاح، جلد ۴، صفحہ: ۲۵۰ تا ۲۵۱)

(۳): ایک حدیث میں ہے: ((مَنْ كَانَ مُوسِرًا فَلْيَنْكِحْ وَمَنْ لَمْ يَنْكِحْ فَلَيْسَ مِنَّا))
”جو شخص خوشحال ہو وہ نکاح کرے اور جو نکاح نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ یعنی ہماری جماعت میں سے نہیں۔ (بغوی، کنز العمال، کتاب النکاح، جلد ۱۶، صفحہ ۱۱۹)

(۴) حدیث شریف میں تین صحابہ کرامؓ کا واقعہ موجود ہے جن میں سے ایک نے ہمیشہ پوری رات نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تھا، دوسرے نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا اور تیسرے نے (باوجود قدرت و طاقت کے) ہمیشہ شادی و نکاح نہ کرنے کا عزم کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو جب ان کا حال معلوم ہوا تو فرمایا:
((أَمَّا وَاللَّهِ إِنِّي لَا خُشَاكُمُ لِلَّهِ وَاتَّقَاكُمْ لَهُ لِكِنِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ

النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))

”میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہی میرے طرز زندگی میں سے ہے) پس جو شخص میرے طرز زندگی سے انحراف کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی ہماری جماعت میں سے نہیں)۔“ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ان احادیث اور دیگر روایات سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ نکاح صرف اور صرف ایک انسانی

ضرورت ہی نہیں بلکہ انبیاء کرامؑ اور خود نبی ﷺ کی سنت بھی ہے اور جب کوئی اس کو حسن نیت اور ایمان و احتساب کی روح کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ اس کے لئے روحانی ترقی کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

نکاح کیسی عورت سے کرنا چاہیے؟

نکاح اس عورت سے کرنا چاہیے جو نیک صالح اور خوش اخلاق ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لَارْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ

يَذَاك))

”عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب و نسب کی وجہ سے، اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے۔ پس تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۲)

عورت سے نکاح کرنے میں چار چیزیں دیکھی جاتی ہیں: (۱) مال داری (۲) حسب و نسب اور خاندانی شرافت (۳) حسن و خوبصورتی (۴) دینداری۔

عورت اگر دیندار نہیں تو مالدار عورت اپنی دولت پر، خاندانی عورت اپنے خاندان کی شرافت پر اور خوبصورت عورت اپنے حسن و جمال پر فخر و غرور کرے گی تو باہمی تعلقات کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے نیز ایسی عورت آدمی کے لئے مسائل کھڑے کر سکتی ہے۔ جب عورت بدخلق ہو تو شوہر کو کبھی اطمینان و سکون حاصل نہ ہوگا اور اولاد پر بھی اس کا بہت اثر پڑتا ہے کیونکہ ماں کی گود ہی اس کی اولاد کے لئے ابتدائی مکتب اور مدرسہ ہے اور بچہ بچپن میں اعمال، اخلاق اور جو کچھ بھی سیکھتا ہے، وہ اس دل پر ایسے منقش ہوتے ہیں کہ اس کے بعد ان سے چھٹکارا حاصل کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔

دیندار عورت کے ساتھ شادی کریں!

لہذا اگر کوئی عورت زیادہ خوبصورت نہ ہو، نہ ہی وہ خاندانی لحاظ سے کوئی عالی نسب رکھتی ہو اور اس کے پاس مال و زر بھی نہ ہو، لیکن وہ نیک صالح ہے تو اس سے شادی کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اس سے بڑا نفع پاؤ

گے۔ دینداری کے بغیر اگر کوئی رشتہ مال یا حسن و جمال کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو اس میں کوئی خیر و برکت نہیں بلکہ نقصان ہوگا۔ خیر و برکت اسی رشتے میں ہوگی جو دینداری اور حسن و اخلاق سے آراستہ ہو، اگرچہ وہ فقیر ہو، حسین و جمیل بھی نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”حسن و جمال اور دولت و ثروت کی بنیاد پر شادی نہ کیا کرو، اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔ تم دیندار عورت کو ترجیح دو اگرچہ وہ کالی کلوٹی کیوں نہ ہو۔ دیندار بہر حال بہتر ہے۔“ (ترغیب و ترہیب: جلد ۳، صفحہ ۴۶)

دیندار عورت وہ ہوتی ہے جو دین اسلام کے مطابق چلتی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھتی ہے۔ بلاشبہ جو عورت دیندار اور حسن اخلاق سے آراستہ ہوگی، وہ شوہر کے حقوق اس کے مزاج کا ہر وقت احساس کرے گی۔ وہ شوہر کی خوشنودی اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور گھر کا ہر کام عمدہ انداز سے چلاتی ہے۔ بچوں کی تربیت و تعلیم پر پورا دھان کرتی ہے۔ ایسی عورت متواضع ہوتی ہے۔ وہ پڑوسیوں اور قریبوں سے جھگڑا نہیں کرتی۔ اس لئے محلے اور پڑوسی کے لوگ بھی اس کی عزت کرتے ہیں اور اسی طرح ایک طرف شوہر کا گھربا و قار اور پر امن بن جاتا ہے۔ دوسری طرف دیندار عورت شوہر کے ساتھ الفت کرنے والی ہوتی ہے۔ ایسی عورت کے ساتھ شوہر کو محبت ہو جاتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے بلکہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ محبت و عشق کے لئے رنگ و روپ کی ضرورت نہیں اس کا معیار ایک طبعی ذوق پر ہے، کسی آدمی کو وہ عورت پسند ہوتی ہے جو دوسروں کی نگاہ میں بد صورت سمجھی جاتی ہے اور بعض اوقات آدمی ایسی عورت سے نفرت کرتا ہے جو دوسروں کی نظروں میں خوب صورت سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے صرف رنگ و روپ کو نکاح کے لئے معیار بنانا کسی طرح درست نہیں۔

لڑکے میں کیا صفات دیکھنی چاہئیں؟

جس طرح لڑکی میں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ دیندار اور حسن اخلاق سے آراستہ ہو۔ اسی طرح لڑکے میں بھی دینداری اور حسن اخلاق کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

((إِذَا خُطِبَ إِلَيْكُمْ مِنْ تَرَضُّونَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَرَّوْجُوهُ إِنْ لَا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةً فِي

الْأَرْضِ وَفَسَادَ عَرِيضٍ))

”جب تمہارے پاس ایسا رشتہ آئے جس کی دینداری اور اخلاق تم کو پسند ہیں تو تم اس رشتے کو قبول کر لو، اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنے اور لمبے چوڑے فسادات برپا ہوں گے۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۲)

مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص سے نکاح نہ کرو گے بلکہ مالدار جگہ کی تلاش میں رہو گے تو ایسی صورت میں بہت سے لڑکے اور لڑکیاں بلا شادی کے رہ جائیں گے، جس کی وجہ سے دنیا میں زنا کی کثرت ہوگی اور بہت لڑکیاں تنگ آکر کسی کے ساتھ بھاگ جائیں گی۔ جس سے بد امنی پھیلے گی، قتل و غارت گری ہوگی اور بڑے فسادات برپا ہوں گے۔ آج بہت سے علاقوں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ لہذا جب لڑکی کے لئے مناسب رشتہ آئے تو اسے قبول کرنا چاہئے، اگر لڑکا خود یا اس کا گھرانہ مالدار نہ ہو تو اس کی فکر نہ کریں۔ رزق جو مقدر ہو گا، ضرور پہنچے گا۔ بہت سی لڑکیاں غریب گھرانوں میں جا کر ایسی خوش ہیں کہ مالدار گھرانوں میں بیاہی جانے والی خواتین بھی ان پر رشک کرتی ہیں اور بہت سی لڑکیاں منصب داروں، سرداروں اور دولتمندوں کے ہاں گئیں لیکن وہاں وہ سخت پریشان زندگی گزارتیں ہیں اور مالدار گھرانوں میں بھی اپنی تقدیر کے باعث ایک ایک ٹکڑے کی محتاج بن جاتی ہیں۔

حسن اور مالدار کی کوئی عیب نہیں!

رشتے کے لئے عورت اور مرد کے انتخاب کے سلسلے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ مرد خوبصورت، مالدار، عالی نسب عورت سے اور عورت عالی نسب، مالدار اور خوبصورت مرد سے شادی نہ کرے۔ یہاں ہرگز یہ مطلب نہیں مقصد صرف اتنا ہے کہ ان چیزوں کو حتمی نہ سمجھا جائے بلکہ دین اور حسن اخلاق کو ترجیح دینی چاہئے۔ دین، اخلاق اور سیرت کو نظر انداز کر کے صرف مال و صورت اور خاندان و منصب کو معیار بنانا درست نہیں۔ کیونکہ خوبصورتی، مالدار کی وغیرہ کوئی بری چیزیں نہیں بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، بشرطیکہ دینداری اور حسن اخلاق کے ساتھ ہوں۔ لہذا اگر کوئی خوبصورت یا مالدار اور اپنے خاندان میں رشتہ کرے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اچھی بات ہے مگر حسن و جمال وغیرہ کو مقصود اصلی

قرار نہیں دینا چاہئے کہ صرف خوبصورتی وغیرہ پر نظر رکھی جائے بلکہ ساتھ ساتھ دین و اخلاق اور کردار پر بھی نظر ہونی چاہئے۔

نکاح پہلے سے مخطوبہ کو دیکھنا!

نکاح کے ذریعے میاں، بیوی کا باہم جونا عمر بھر کے لئے ہوتا ہے اور اس پاکیزہ نسبت کی وجہ سے خاندان کے خاندان باہم جڑ جاتے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر اس رشتے میں ناچاقی اور بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ صرف میاں، بیوی کے درمیان نفرت و عداوت نہیں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان نفرت، عداوت اور دوری پیدا ہو جاتی ہے جبکہ اسلام کی نظر میں عفت و عصمت کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ اس کے تحفظ کے لئے ہر اس راستے کو بند کر دیا جاتا ہے جہاں سے اس میں دراندازی ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہاں بھی شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جس عورت سے رشتہ کرنا ہو اس کے متعلق معلومات حاصل کریں، اس کی صورت بھی دیکھیں تاکہ تذبذب نہ رہے اور شکوک و شبہات دور ہوں تاکہ آنے والی زندگی میں الفت و محبت قائم ہو اور جدائی کی نوبت نہ آئے۔ دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے خاندان کی عورتوں یا جن پر خاندان کی عورتوں کو اعتماد ہے، ان کے ذریعے سے دیکھا جائے۔ اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو شریعت نے مرد کو بھی یہ اجازت دی ہے کہ اس کے لئے خود کوئی تدبیر کرے۔ البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ یہ نہایت خفیہ طریقے سے ہو اور اس عورت کو بھی اس کا علم نہ ہو تاکہ اگر رشتہ پسند نہ آئے تو اس عورت کو اذیت اور دلی تکلیف نہ ہو اور ناپسندگی کی صورت میں وہ اپنی سبکی اور تحقیر محسوس نہ کرے۔ دیکھنے کے بعد پسند نہ آئے تو مرد، اس کے گھر والے اور لڑکی کے گھر والوں کو بھی یہ معاملہ صیغہ راز میں رکھنا چاہئے تاکہ دوسرے لوگ اس کے رشتے میں کوئی جھجک محسوس نہ کریں۔

خلاصہ یہ کہ نکاح سے پہلے بلکہ پیغام دینے سے بھی پہلے مخطوبہ عورت کے متعلق مہذب اور شرعی طریقے سے ضروری معلومات حاصل کرنا اور اسے دیکھنا مستحب ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا لَقِيَ اللَّهُ فِي قَلْبِ امْرَأَةٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا))

”اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی سے شادی کرنے کا خیال ڈال دے تو اس کے لئے اس عورت کو ایک نظر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔“ (احمد وابن ماجہ وغیرہ، کنز العمال، جلد ۱۶، صفحہ ۱۲۳)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے جب کوئی کسی خاتون کو پیغام بھیجے (یا پیغام بھیجنے کا ارادہ کرے) اگر ممکن ہو تو (بہترین ہے کہ) وہ اس خاتون کو دیکھ لے۔“ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۳، باب النظر الی المخطوبہ)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا بیان ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا (یا پیغام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اس عورت کو دیکھا! میں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا۔

((فَاَنْظُرْ اِلَيْهَا فَإِنَّهُ اُخْرٰى اَنْ يُؤَدَّمَ بَيْنَكُمَا))

”اس عورت کو ایک نظر دیکھ لے تاکہ یہ دیکھنا تمہارے درمیان الفت و محبت کا باعث بنے۔“ (احمد، ترمذی، نسائی وغیرہ، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۳، باب النظر الی المخطوبہ)

دیکھنے میں اخلاص و اعتدال!

کسی اجنبی عورت کی طرف قصد اَدِکھنا، قرآن و سنت کی رو سے ناجائز اور نہایت فتنہ جحرکت ہے اور یہی حکم ہے اگر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً نگاہ نیچے کر لیں۔ لیکن مخطوبہ یعنی جس عورت سے منگنی کا ارادہ ہو تو نکاح اور منگنی سے پہلے اس خاتون کو ایک نظر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اچھا ہے۔ خواہ اپنی آنکھوں سے دیکھے، اگر ممکن نہیں تو کسی معتمد عورت کے ذریعے دیکھ لیا جائے تاکہ اس سے بڑی حد تک اطمینان حاصل ہو جائے۔ دیکھنے میں دو چیزوں کا خیال ضروری ہے۔

(۱): اعتدال!

اعتدال کا ہونا ضروری ہے کہ دیکھنا مہذب اور شرعی طریقے سے ہو۔ اگر مرد دیکھے تو چوری چھپے اور وہ بھی صرف چہرے اور ہتھیلیوں کی حد تک محدود ہو۔ اس سے زیادہ کی اجازت نہیں کیونکہ چہرے سے بڑی حد تک خوبصورتی، بد صورتی اور پسند، ناپسند کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۲): اخلاص!

اخلاص کا ہونا ضروری ہے کہ دیکھنے سے کسی فساد کی نیت نہ کرے۔ مخطوبہ اور اس کے گھر والوں کی دل آزاری مقصود نہ ہو اور یہ دیکھنا نہایت خفیہ اور ایسے راز کے ساتھ ہو کہ مخطوبہ کو پتا نہ چلے تاکہ ناپسندیدگی کی صورت میں اس کو قلبی تکلیف نہ ہو۔ پھر اس ناپسندیدگی کو دوسروں پر ظاہر نہ کرے کہ اس کے رشتے میں تمہاری ناپسندیدگی رکاوٹ بنے، جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

مرد کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنی چاہئے!

عورت چونکہ عام نظروں سے چھپی رہتی ہے اور مسلمان ایماندار عورتیں باپردہ رہتی ہیں۔ اس لئے علماء اور فقہاء اسلام نے ان کے دیکھنے کے متعلق تفصیلات لکھی ہیں لیکن مرد کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ گھر سے باہر گھومتا پھرتا رہتا ہے، لوگ اسے دیکھتے رہتے ہیں اور عموماً ان کے حالات پوشیدہ نہیں رہتے، جب چاہیں مخطوبہ عورت کے گھر والے اسے دیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے مردوں کے بارے میں عام طور پر لکھا نہیں جاتا، ورنہ جس طرح عورت کے بارے میں ضروری معلومات ہونی چاہئے اور دیکھنا بھی اچھا ہے، اسی طرح مرد کے لئے بھی ہونی چاہئے تاکہ بعد میں کوئی بگاڑ اور بد مزگی پیدا نہ ہو۔

لہذا! نکاح میں جس طرح مرد کے لئے ہدایت دی گئی ہے کہ عورت کے حالات کو اچھی طرح معلوم کرے، اسی طرح عورت کے خاندان والوں کو بھی چاہئے کہ وہ مرد کے حالات بھی اچھی طرح معلوم کریں اور اپنی لڑکی کا رشتہ ایسے شخص سے کریں جو دیندار، بااخلاق اور رشتے کے لئے مناسب ہو۔ بے دین، ظالم، شرابی، نشئی اور بد کردار سے شادی نہ کرائیں۔ ایسے شخص کے ساتھ شریف دیندار عورت کا نکاح کرنا عورت کے ساتھ ظلم ہے۔

ضروری معلومات کے بعد معاملہ اللہ کے سپرد کریں!

رشتے کے متعلق وساوس میں مبتلا نہ ہوں بلکہ مرد، عورت دونوں ایک دوسرے کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کریں۔ رشتہ مناسب ہو تو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے نکاح کر لیں۔ اس بات کا انتظار نہ کریں کہ دونوں کے درمیان عشق و محبت ہو تب شادی کریں کیونکہ تجربے نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے مرد، عورت کی باہمی محبت و الفت شادی کے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے درمیان شادی سے پہلے محبت نہیں ہوتی یا وہ ایک دوسرے سے نکاح میں پہلے سے بہت ہی کم دلچسپی رکھتے ہیں لیکن شادی کے بعد ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

میاں، بیوی میں طبعی محبت نہ ہو تو اسے بیان نہ کریں!

شادی کے بعد اگر میاں، بیوی کے درمیان محبت نہ ہو یا بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ طبعی محبت نہ ہو یا شوہر کو بیوی سے محبت نہ ہو تو ان کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے سامنے بیان نہ کریں بلکہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں اور اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق گزاریں اور ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لئے جو محبت ہے اس سے زیادہ کا اظہار کرے۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بتدریج محبت بڑھتی جائے گی اور ان کی زندگی باہم اطمینان اور سکون سے گزرے گی۔

نکاح میں مہر ضروری ہے!

نکاح میاں، بیوی کے درمیان ایک باعزت و با عظمت تعلق ہے۔ اس میں مرد کی حیثیت طالب کی سی ہوتی ہے کہ وہ رشتہ مانگتا ہے اور عورت کی حیثیت مطلوب کی سی ہے۔ اس لئے اسلام نے عورت کے لئے مہر کو بطور حق مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَحِلَّ لَكُمْ مَّا وَّرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾

”اور ان عورتوں کے علاوہ (جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے) دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔

(تم ان سے نکاح کرو) بشرطیکہ انہیں اپنے اموال (مہر) کے بدلے طلب کرو۔“ (سورہ نساء: ۲۴)

جو عورتیں حلال ہیں، ان کے حلال ہونے کے لئے یہاں دو شرطیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح

مال (مہر) کے ساتھ ہو۔ دوسریہ کہ عورت کو نکاح کے حصار میں محفوظ کرنا مقصود ہو، نہ کہ وقتی طور پر شہوت کی ہوس کو پورا کرنا ہو۔

مہر کا مقصد!

اس شرط کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ عورتوں کو موروثی طور پر اپنی زوجیت میں لے لیتے، نیز جس طرح جانور کا تبادلہ کیا جاتا ہے، اسی طرح وہ اپنی بیٹی یا بہن کے بدلے دوسرے کی بیٹی یا بہن کو لے لیتے تھے اور اس کے علاوہ عورت کے لئے کوئی مہر نہ ہوتا تھا۔ اسلام نے مہر کو عورت کا حق قرار دے کر عورتوں کے معاملے میں جبر و اکراہ یا توارث وغیرہ کا سد باب کر دیا کیونکہ عورت انسان ہے، جبر و اکراہ اور توارث کے ذریعے کوئی اس کو اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتا ہے، بلکہ مہر کے ذریعے اس کی رضامندی کے ساتھ نکاح کریں اور یہ بتلا دیا کہ خاوند پر مہر کی ادائیگی فرض ہے۔ یہ کوئی نفلی اور غیر لازمی چیز نہیں، نہ یہ عورت پر احسان ہے بلکہ یہ اس کا حق ہے، نیز شریعت نے عورت پر مہر کی ادائیگی کی جو شرط لگائی ہے وہ اس لئے نہیں کہ یہ کوئی خرید و فروخت کی چیز ہے، بلکہ یہ اس لئے ہے کہ لوگ سوچ سمجھ کر نکاح کو ایک اہم مسئلہ سمجھیں۔

مہر کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ نکاح کو بچوں کا کھیل نہ بنایا جائے بلکہ مرد و عورت اور ان کے خاندان دونوں طرف کے لوگ اس کو ایک اہم معاملہ سمجھیں اور نکاح کے معاملے کو ایک سنجیدہ معاشرتی معاہدے کی حیثیت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ معاہدے اور معاملے کے ساتھ ادائے مال کی شرط لگی ہوئی ہو اور اس کی حیثیت محض نفل، مستحب اور ایک احسان کی نہ ہو بلکہ ایک ایسی لازم ہو اگر وہ مذکور نہ ہو بلکہ زوجین اگر بوقت نکاح آپس میں یہ طے بھی کر لیں کہ ہمارا نکاح بغیر مہر کے ہوگا، تب بھی مہر مثل ادا کرنا ہوگا اور اس کی ادائیگی واجب قرار پائے گی۔

ظاہر ہے کہ اس طرح معاملہ شرعاً اور عرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے اور ایسے معاملے کو ہر شخص مکمل غور و فکر کے ساتھ انجام دے گا اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کے حقوق اور ذمہ داریوں کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھے گا۔

خلاصہ یہ کہ مہر کی شرط لگانے کی اصل مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے تاہم اس شرط کے مقاصد کے متعلق علماء نے جو کچھ لکھا ہے اس کو اختصار کے ساتھ یہاں نقل کر دیا۔

عورت اور اس کے خاندان والوں کو چاہئے کہ مہر کو بارگراں نہ بنائیں!

عورت اور اس کے گھر والوں کو چاہئے کہ اگر ان کو رشتہ پسند ہو تو اس قدر زیادہ مہر کا مطالبہ نہ کریں کہ وہ مرد کو بارگراں محسوس ہو، کیونکہ مہر کی زیادتی شادیوں میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے یا تو شادیاں رکی رہتی ہیں یا مہر کی زیادتی کی وجہ سے اچھا اور لڑکی کے لئے زیادہ مناسب رشتہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کے بعد اگرچہ ایسا رشتہ مل بھی جاتا ہے جو منہ مانگا مہر دے بھی دیتا ہے مگر اس میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ شادی کے بعد خود لڑکی اور اس کے گھر والے پریشان ہوتے ہیں اور ان میں سے بہت سے رشتے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ لہذا لڑکی کے گھر والوں کو چاہئے کہ جب بھی کوئی مناسب رشتہ ملے تو اس قدر مہر کا مطالبہ کریں کہ جو لڑکے کی حیثیت کے مطابق ہو اور جس کی ادائیگی لڑکے یا اس کے گھر والوں کے لئے آسان ہو۔ امیر مومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! مہر کو زیادہ مت بڑھاؤ۔ اگر مہر کا زیادہ ہونا دنیا میں عزت یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نبی تم سے زیادہ اس کے مستحق تھے کہ اپنی بیٹیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مہر مقرر فرماتے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ رکھا ہو۔ (احمد، ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۹، کتاب النکاح، باب الصداق)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرماتے تھے (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو یہ ساڑھے بارہ اوقیہ، پانچ سو درہم ہوئے)۔ (مسلم، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۹، کتاب النکاح، باب الصداق)

پانچ سو درہم ایک سو تیس تولہ تین ماشہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سو چالیس تولہ کے برابر ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اپنی بیٹیوں، بہنوں کا مہر بہت زیادہ مقرر نہ کیا کریں۔ رشتہ پسند ہو تو اس کی حیثیت کے مطابق مہر رکھیں یہاں تک کہ چاندی کے دس درہم جس کا وزن تین تولہ چاندی سے بھی کم ہے، اتنی مالیت بھی مہر کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ عصر حاضر میں مہر کی زیادتی کی وجہ سے طرح طرح کی پریشانیاں لڑکیوں کو اٹھانی پڑتی ہیں اور مہر کی زیادتی آرام و سکون کا سبب بننے کے بجائے ناموزوں رشتے کی وجہ سے

تلخ زندگی کا سبب بن جاتی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا:

((إِنَّ أَكْثَرَ النَّكَاحِ بَرَكَهٌ أَيْسَرُهُ مَوْنَةً))

”وہ نکاح بڑی برکت والا ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو۔“ (بیہقی، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۳)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ))

”بہتر مہر وہ ہے جو (باعتبار ادا نیگی) آسان ہو۔“ (ابوداؤد، مستدرک للحاکم، بلوغ المرام،

صفحہ ۳۱۵، باب الصداق)

﴿مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ کا مقصد!

مذکورہ آیت میں نکاح کے لئے دوسری شرط یہ بیان ہوئی تھی کہ: ﴿مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾

﴿مُحْصِنِينَ﴾ احسان کے بنیادی معانی کسی چیز کو حفاظت میں لینے یا حفاظت میں ہونے کے ہیں۔ اسی

سے ﴿مُحْصَنَتْ﴾ کا لفظ ہے جو ان عورتوں کے لئے بھی بولا جاتا ہے جو نکاح میں ہوں۔ جیسا کہ مذکورہ

آیت کی ابتداء میں آیا ہے (جو عورتیں کسی کے نکاح میں ہیں ان کے ساتھ نکاح حرام ہے)۔ نیز یہ لفظ

لوٹڈیوں کے مقابل آزاد شریف عورتوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والی

آیت میں ﴿مُحْصَنَتْ﴾ کا لفظ آزاد اور شریف عورتوں کے مفہوم میں ہے۔ نیز قرآن مجید میں یہ لفظ پاک

دامن عورتوں کے لئے بھی آیا ہے کیونکہ جو پاک دامن ہوں وہ خود اپنی عفت کی حفاظت کرتی ہیں۔

﴿مُسْفِحِينَ﴾ ”سَفَح“ کے معنی ”بہانے اور گرا دینے“ کے ہیں۔ اسی سے مسافت ہے جس کے

معنی بدکاری اور آزاد شہوت رانی کے ہیں۔ زنا کاری اور بدکاری میں مرد و عورت دونوں کا مقصد صرف عیاشی

اور جنسی اشتعال کو تسکین دینے کی غرض سے یونہی مادہ منویہ کو بہانا ہوتا ہے اور متعہ اور وقتی نکاح میں بھی یہی

مقصد ہوتا ہے۔ آیت کریمہ میں نکاح کے ساتھ احسان کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ نکاح کو سفاح سے

بالکل علیحدہ کر دیا جائے۔ نکاح کا اصل مقصد بھی اسی وقت پورا ہوتا ہے جبکہ مرد، عورت کو بخیرہ ارادے سے

عمر بھر نبانے کے لئے اپنی حفاظت میں لے اور اسی طرح عورت بھی اسی خیال اور ارادے سے مرد کی حفاظت میں داخل ہو کہ میں اس کے عقد میں اسی کی ہو کر رہوں گی۔

لہذا! اگر کوئی شخص کسی عورت کو کچھ رقم دے کر یا یونہی مفت میں کسی خاص وقت تک ایک عارضی تعلق قائم کرتا ہے یا عارضی اور وقتی طور پر نکاح کرتا ہے۔ ایسے تمام تعلقات جن کا مقصد کسی عورت کو زندگی بھر نبانے کے ارادے سے اپنی زوجیت اور نکاح میں لینا نہیں بلکہ اس کا مقصد وقتی اور عارضی منفعت مقصود ہو تو یہ احسان و نکاح نہیں، بلکہ سفاح ہے، یہ صرف لذت نفس کے لئے مادہ منویہ کو کسی جگہ بہانا ہے جس کا مقصد جنسی جذبات کو عارضی طور پر تسکین پہنچانا ہے۔ قرآن کریم نے یہاں نکاح کے ساتھ احسان کی شرط لگا کر متعہ، عارضی تعلقات کو مسافحت اور بدکاری میں داخل کر کے ان تمام قبیح اور آزاد شہوت رانی کی صورتوں کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جو دور جاہلیت میں مختلف ناموں سے رائج تھیں۔

جنسی تعلقات کے بارے میں قرآن کا اعلان!

دین اسلام پاکیزہ اور فطری دین ہے اس نے ابتدا ہی سے آزاد شہوت رانی اور بدکاری پر پابندی لگائی ہے۔ قرآن مجید نے صرف اسی مذکورہ آیت میں نہیں بلکہ بارہا مختلف انداز میں اس بات کو پوری طرح واضح فرمایا ہے کہ شرعی نکاح اور اپنی لونڈیوں کے علاوہ انسان کے تعلقات، جنسی سرور اور خواہشات کی جتنی صورتیں ہیں، وہ سب حرام ہیں۔ (دیکھئے! سورہ مومنون: ۵ تا ۷، سورہ معارج: ۲۹ تا ۳۱)

چونکہ یہ کتاب طویل بحثوں کی متحمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی دہی تو ان شاء اللہ آئندہ اس مسئلے پر قدرے تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

مروجہ متعہ کسی بھی آسمانی دین میں جائز نہیں رہا!

یہاں اس بات کو یاد رکھیں کہ متعہ کی وہ صورت جو شیعہ فرقے میں مروج ہے، یہ کبھی بھی کسی آسمانی دین میں جائز نہیں رہی اور نہ ہی دین اسلام میں کبھی ایک دن کے لئے بھی جائز ہوئی ہے۔ بلکہ دور جاہلیت اور ہمیشہ دین سے دور، خبیث لوگوں کا شیوہ رہا ہے جسے اسلام نے ابتدا ہی سے ختم کیا ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کے مبارک دور کا متعہ جس کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے، وہ متعہ

نہیں ہے بلکہ اس مروجہ متعہ میں اور اس وقت کے متعہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں ایک نکاح تو یہی نکاح مؤبد تھا جو ہمیشہ کے لئے کیا جاتا ہے اور پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی متعدد آیات میں بھی موجود ہے۔ دوسرا نکاح وہ تھا جو سفر کی حالت میں وقتی اور ہنگامی طور پر کیا جاتا تھا۔ اس نکاح کا طریقہ بھی یہی تھا کہ لڑکی کے والدین اور ان کے سرپرستوں سے رشتہ مانگا جاتا تھا اور ان کی رضامندی سے یہ رشتہ طے ہوتا تھا اور گواہوں کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ اس کا مہر بھی مقرر ہوتا تھا، لیکن اس کا مہر نکاح مؤبد سے کچھ کم ہوتا تھا۔ اس میں صرف اتنی بات ہوتی تھی کہ اس نکاح کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس کے لیے طلاق دینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، جب طے شدہ وقت ختم ہو جاتا تھا تو نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا۔ نکاح ختم ہو جانے کے بعد اس لڑکی کو اگر دوسری جگہ نکاح موقت کرنا ہوتا تو وہ پہلے نکاح کے ختم ہونے کی عدت گزارتی، اس کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جاتا۔ یہ عارضی نکاح ہوتا تھا جو خاص وقت تک ہنگامی طور پر کیا جاتا تھا۔ اس وقتی نکاح میں چونکہ خاص وقت تک فائدہ اٹھانا ہوتا تھا۔ اس لئے وہ اسے متعہ کہتے تھے اور اس ہنگامی اور وقتی نکاح کا رواج عرب میں پہلے سے رائج تھا جس کی حرمت کا اعلان نبی کریم ﷺ نے غزوہ خیبر میں فرمایا پھر نبی کریم ﷺ نے دس ہجری تک تقریباً ہر غزوہ میں اس کی حرمت کا اعلان فرماتے رہے تاکہ لوگوں کو پوری طرح معلوم ہو جائے کہ متعہ یعنی وقتی اور ہنگامی نکاح بھی اسلام میں حرام ہے۔ جو متعہ شیعوں کے ہاں مروج ہے یہ تو خالص زنا اور بدکاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مسلمانوں کی اس سے حفاظت فرمائیں۔

آنکھیں بند کر کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارو، اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے!

مذکورہ آیت کریمہ میں نکاح سے متعلق چند احکام کے بعد آخر میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔“

یہاں علیم و حکیم کی صفات کا جو حوالہ دیا گیا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور شرعی قوانین کی عظمت اور اس

کی حکمت کے اظہار کیلئے ہے کہ جس ذات نے یہ احکامات اور قانون اتارا ہے۔ وہ علیم و حکیم ہے، اس کی ہر بات و ہدایت اور ہر حکم و قانون اس کے بے خطا، لامحدود اور اس کی نہایت عظیم حکمت پر مبنی ہے اس لئے اس کے بندوں کیلئے ہر گز یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے خلاف کریں اور نہ ان کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ ان میں اصلاح و ترمیم کریں بلکہ ان کو چاہیے کہ ان کی علت و حکمت ان کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، آنکھیں بند کر کے بے چوں و چرا اس کے احکام اور قوانین کو قبول کریں اور ان کے مطابق زندگی گزاریں۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ احکامات الہی صرف اس صورت میں مانتے ہیں جب وہ ان کی عقل اور سمجھ میں آئیں اور جو احکامات و ہدایات ان کی عقل و سمجھ سے بالاتر ہوں، وہ ان کو رد کرتے ہیں یا وہ ان میں ترمیم و اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو معبود نہیں مانتے بلکہ ان کا الہ اور معبود عقل اور نفس ہے۔

متعہ کا بیان، تعریف اور اس کے متعلق علماء و فقہاء کے اقوال!

متعہ کے تعریف میں فقہاء کے اقوال عموماً تین طرح کے ملتے ہیں۔

بعض فقہاء اس کی صورت یہ بیان فرماتے ہیں کہ متعہ میں نہ گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے اور نہ لفظ نکاح، بلکہ وہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہہ دے کہ میں تیرے ساتھ اتنے مال کے بدلے اتنی مدت تک متعہ کرتا ہوں اور وہ عورت اسے قبول کر لے۔ (دیکھئے ہدایہ وغیرہ)!

جن فقہاء نے متعہ کی مذکورہ تعریف کی ہے ان کے نزدیک اس متعہ کیلئے بھی کچھ شرائط ہیں، مثلاً:

عورت منکوحہ نہ ہو وغیرہ

جو فقہاء متعہ کی مذکورہ تعریف کرتے ہیں، شاید ان کے سامنے ایران کا مروجہ متعہ تھا۔ نیز متعہ کی

اس تعریف کی تائید بظاہر حضرت سہرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس طویل روایت میں متعہ کا ذکر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے سال ایک عورت کے سامنے میں اور میرے ساتھی پیش ہو گئے تو اس نے مجھے قبول کر لیا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۲)

۱۔ ونکاح المتعۃ باطل وہان یقول لا مرأۃ اتمتع بك کذا مدۃ بكذا من المال. (ہدایہ، کتاب

النکاح: ۲/۲۹۲)

اس پوری روایت میں غور و فکر کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ گواہوں کے بغیر ہوا ہے لیکن اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ متعہ کا یہ معاملہ چوری چھپے بغیر گواہوں کے ہوا کرتا تھا۔ اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے ہم دونوں میں سے مجھے منتخب کر لیا، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی عورت کو دو آدمی نکاح کا پیغام بھیجیں، وہ ان دونوں میں سے ایک کے پیغام کو قبول کر کے نکاح کر لے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اس عورت نے دوسرے کی بجائے میرے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح کیلئے گواہوں یا اعلان وغیرہ کی ضرورت نہیں یا اس شخص نے شرعی طریقے کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ چوری چھپے نکاح کیا ہے۔

بلکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس عورت نے اپنے نکاح کیلئے اس کو منتخب کر لیا پھر اس نے شریعت کے مطابق اس سے نکاح کیا ہے۔ اسی طرح اس واقعے کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عورت نے نکاح متعہ کیلئے سبرہ کو منتخب کر دیا اور اس کے بعد ان کے ساتھ اس وقت نکاح متعہ کیلئے جو طریقہ مقرر تھا اس کے مطابق اس نے ان کے ساتھ نکاح متعہ کر دیا۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ جن علماء اور فقہائے اسلام نے متعہ کی مذکورہ تعریف کی ہے یہ اگرچہ متعہ کے مفہوم میں داخل ہے اور مروجہ متعہ بھی یہی ہے لیکن متعہ کی یہ صورت بعینہ زنا ہے۔ علامہ قرطبی متعہ کی اس صورت کے متعلق فرماتے ہیں:

”وهذا هو الزنى بعينه ولم يُبَحْ قَطُّ فِي الْإِسْلَامِ“

”یہ تو بعینہ زنا ہے اور یہ اسلام میں کبھی بھی مباح نہیں ہوا۔“ (تفسیر قطبی، جلد ۵،

صفحہ ۱۳۲)

متعہ کی دوسری تعریف!

بہت سے ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے نزدیک متعہ ”نکاح موقت“ ہی تھا جو باقاعدہ ولی کی اجازت اور گواہوں کے سامنے ہوتا تھا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

”قَالَ ابْنُ عَطِيَّةٍ وَكَانَتِ الْمُتْعَةُ أَنْ يُتَزَوَّجَ الْمَرْأَةُ بِشَاهِدَيْنِ وَإِذْنِ الْوَلِيِّ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى“

”متعہ یہ تھا کہ ایک شخص عورت کے ساتھ اس کے سر پرست کی اجازت سے دو گواہوں کے سامنے ایک معین وقت تک نکاح کرے۔“ (تفسیر قرطبی جلد ۵، صفحہ ۱۳۲، القاموس الفقہی صفحہ ۲۶۱ وغیرہ)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہر وہ نکاح جو مقررہ وقت تک ہو وہ متعہ ہے، خواہ اس میں شہود وغیرہ کی شرائط پائی جائیں یا نہیں۔

ان کی نزدیک مذکورہ دونوں صورتیں متعہ کی تعریف میں داخل ہیں۔

”وَفِي الْمُحِيطِ كُلُّ نِكَاحٍ مُؤَقَّتٍ مُتْعَةٌ“

”اور محیط میں ہے کہ ہر نکاح موقت متعہ ہے۔“ (البنایہ فی شرح الہدایہ: ۹۰، کتاب الفقہ علی المذہب الاربع: ۹۰ وغیرہ)

اس میں شک نہیں کہ وہ نکاح جو ایک مقررہ وقت کیلئے کیا جائے، جس کے بعد بغیر طلاق کے خود بخود جدائی وجود میں آتی ہو، خواہ اس میں گواہ اور سر پرست کی اجازت موجود ہو یا نہ ہو بہر صورت وہ متعہ کے حکم میں شامل اور حرام ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ کے دور میں عارضی طور پر جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی، کیا اس کی صورت مروجہ متعہ کی تھی؟

سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں جس متعہ کی عارضی اجازت دی گئی تھی جو بعد میں قیامت تک حرام ہو گئی، اُس متعہ کی صورت کیا تھی؟

کیا اس کی صورت وہی ہے جو ہوٹلوں، بازار حسن اور متعہ خانوں اور چکلوں میں ہوتی ہے؟ جس میں نہ گواہ ہوتے ہیں نہ اس عورت کیلئے عدت ہوتی ہے اور نہ اس کیلئے نان نفقہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں صرف و صرف پانی بہانا مقصود ہوتا ہے جس میں عورت اور مرد خود یا عورت اپنے ایجنٹ یعنی دلال کے ذریعے جنسی تسکین کا یہ معاملہ ایک گھنٹے یا ایک رات کم و بیش وقت کیلئے چوری چھپے طے کرتی ہے۔ بلاشبہ اسلام جیسے پاکیزہ اور فطری دین میں ایسے متعہ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ یہ کسی وقت مباح ہوا ہے لہذا یہ متعہ خالص زنا ہے۔

آخر زنا کسے کہتے ہیں؟ اور زانیہ اور زانی جس کے بارے میں رجم اور کوڑوں کی سزائیں قرآن مجید میں ہیں۔ آخر وہ زنا کی کس صورت کے متعلق ہیں؟ اگر زنا صرف یہی ہے کہ مرد کسی عورت سے جبراً اپنی شہوت پوری کرے تو پھر ”زانیہ“ کو کیوں قرآن و سنت کی رو سے کوڑوں یا رجم کی سزا دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں تو عورت مجبور ہے کیا جس عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوئی ہے اس کو بھی سزا دی جائیگی؟ ایسا ہرگز نہیں۔

بلکہ زانی اور زانیہ تو وہی ہوتے ہیں جو آپس میں خود یا کوئی عورت اپنے ایجنٹ کے ذریعے کسی مرد کے ساتھ چوری چھپے یہ معاملہ طے کرتی ہے۔

بلاشبہ متعہ کی یہ صورت خالص زنا ہے۔ خواہ مرد عورت سے یا عورت مرد سے کہہ دے کہ میرے ساتھ متعہ کرے یا کوئی اور لفظ استعمال کرے۔ بہر حال یہ بعینہ زنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾

”اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔ بے شک وہ بے حیائی ہے اور نہایت بری راہ ہے۔“ (سورہ اسراء،

آیت ۳۲)

قرآن مجید اور اسلام نے تو مسلمانوں کو صرف زنا سے نہیں بلکہ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ﴾ ”زنا کے قریب نہ جاؤ“ فرما کر زنا کے محرکات مثلاً: بد نظری وغیرہ سے بھی منع فرمایا۔ زانی اور زانیہ، زنا کرنے والے مرد و عورت کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا:

”لوگوں کے سامنے ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے مارو۔“ (تفصیل کے لئے سورہ

نور، آیت ۲)

خلاصہ یہ متعہ کی یہ صورت خالص زنا ہے۔ زنا اور مذکورہ متعہ میں کوئی فرق نہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ روافض اور شیعہ متعہ کی اس فبیح صورت کے حق میں بھی قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ سے استدلال کرتے ہیں۔

مروجہ متعہ!

چنانچہ وہ: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ... إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ کے اس

نکمرے ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ سے اس مروجہ متعہ پر استدلال کرتے ہیں لیکن روافض کا یہ استدلال سراسر باطل ہے کیونکہ یہ بعینہ زنا ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اور ان کا یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ عیسائی قرآن مجید سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے غلام ہونے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ﴿فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ ”پس ہم نے اسے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو) ایک حلم والے لڑکے کی خوشخبری دی۔“ (الصَّف: ۱۰۱)

اس آیت کریمہ سے پہلی آیتوں میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور ان آیتوں کی ابتداء اس سے ہوئی ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ﴾

”اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباؤ اجداد نکاح کر چکے ہوں۔“ (سورہ نساء: ۲۲)

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ اسی آیت کے جس میں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ﴾ کا ٹکڑا ذکر ہے۔ ابتدائی حصے تک جاری ہے اور اس کے بعد اسی آیت میں ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَّرَاءَ ذَلِكَ﴾ ”اور (مذکورہ عورتوں جن کا ذکر ہو چکا) ان کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔“ اس کے بعد جن عورتوں کے ساتھ نکاح حلال ہے ان کے شرائط بیان ہوئے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اس کے بعد اسی آیت میں ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ﴾ کا ذکر آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ﴿اُجُور﴾ یعنی یہ مہور اس وقت پورے پورے لازم ہو جاتے ہیں جبکہ ان سے ہمبستری کرنے کے مواقع حاصل ہو جائیں جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اس آیت کے بعد اگلی آیت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جو شخص خاندانی مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ کسی باندی کے ساتھ ان کے مالک کی اجازت سے نکاح کر لے کیونکہ اس کا مہر کم ہوتا ہے اور اس کے نان نفقہ میں بھی قدر سہولت ہے اور اس کے ساتھ وہی قیود و پابندی لگائیں جو نکاح کیلئے مقرر ہیں۔ (سورہ نساء: ۲۵)

جبکہ اس مروجہ متعہ میں تو سرے سے نان نفقہ کا بوجھ ہے ہی نہیں اور نہ اس میں نکاح کی طرح قیود و

پابندیاں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کو کھولنے اور اس آیت کے سیاق و سباق اور خود اسی آیت کے مضمون میں غور کریں تو یہ آگے پیچھے قرآن مجید کا پورا مضمون مروجہ متعہ کی تردید کرتا ہے ایسی صورت میں صرف ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ﴾ کو درمیان ہی میں اچک کر اس سے مروجہ متعہ جیسی ذلیل اور خبیث زنا کاری کو ثابت کرنا ایسا ہی جیسا کہ کوئی احمق عیسائی قرآن مجید کی اس آیت کریمہ:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ، وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾

”لاشبہ وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک ہے۔ حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں۔“ (سورہ مائدہ: ۷۲)

مذکورہ بالا آیت سے صرف ﴿إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ کے لفاظ اچک لے پھر یہ کہتا پھرے کہ دیکھئے! قرآن مجید میں بھی تین خداؤں کا ذکر ہے۔ حالانکہ پورا قرآن اور مذکورہ آیت کریمہ کا سیاق و سباق بھی تین خداؤں کی صاف صاف تردید کرتا ہے۔

یہی حال مروجہ متعہ کا ہے جس کی قرآن مجید کی دوسری آیات ہی نہیں بلکہ یہی ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ﴾ کا سیاق و سباق ہی اس کی صاف صاف تردید کرتا ہے۔

ایسی صورت میں قرآن مجید کی دوسری آیتوں کو نظر انداز کرنا اور اس آیت کے سیاق و سباق اور مضمون سے بھی صرف نظر کر کے صرف ایک ٹکڑے سے متعہ کا جواز نکالنا، بلاشبہ قرآن مجید میں کھلی تحریف ہے جو ہمیشہ سے یہود کا شیوہ رہی ہے۔

یہود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مِنَ الَّذِينَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾

”یہودیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے ہٹا دیتے ہیں۔“ (سورہ نساء: ۴۶)

شہوت کی تسکین کے لئے صرف دو ہی طریقے ہیں!
یاد رہے! اللہ تعالیٰ نے شہوت کی تسکین کے لئے صرف دو طریقوں کو حلال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْوَابِهِمْ حَفِظُونَ ، إِلَّا عَلَىٰ أَرْوَاحِهِمْ أَوْ مَمَالِكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ، فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ ۝﴾

”اور (ایمان والے وہی ہیں) جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، مگر ان کی بیویاں یا اپنی (شرعی) باندیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پس جو شخص اس کے علاوہ (شہوت کی تسکین کے لئے) کوئی اور راستہ تلاش کرتے ہیں تو وہی لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔ (سورہ مومنون: ۵ تا ۷، سورہ المعارج: ۲۹ تا ۳۱)

مذکورہ آیتوں میں قضائے شہوت کے دو راستے بتلائے گئے ہیں:

(۱): منکوحہ عورت۔ (۲): باندی۔

ان دو طریقوں کے سوا قضائے شہوت کے لئے کوئی اور راستہ ڈھونڈنا اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود و احکام شرعیہ سے تجاوز کرنا ہے۔ جس میں زنا، لواطت اور متعہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ مروجہ متعہ میں جس عورت کے ساتھ متعہ کیا جاتا ہے، وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے کہ مرد پر اس کا نان نفقہ فرض ہو، نہ اس میں نکاح کی طرح گواہ یا اعلان ہوتا ہے اور نہ اسے طلاق ہوتی ہے نہ عدت اور نہ ہی اسے میراث ملتی ہے اور نہ ہی وہ اس کی باندی ہوتی ہے۔

بلکہ یہ وہی کاروبار ہے جو آج کل بعض بے شرم عورتیں طوائف کالائسنس لے کر بازار حسن اور ہونٹوں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ بلاشبہ یہ متعہ خالص زنا ہے جو روز اول سے تمام ادیان سماویہ میں حرام اور ناجائز رہا۔

ابتدائے اسلام میں متعہ کی کونسی صورت جائز تھی؟

ابتدائے اسلام میں جس متعہ کی وقتی طور پر اجازت دی گئی تھی۔ اس سے مراد شیعوں کا متعہ نہیں، بلکہ وہ بھی نکاح ہی کی صورت تھی جس کو وہ متعہ کہتے تھے۔ نکاح کی جس صورت کو متعہ کہا جاتا ہے، اس پر لکھنے سے پہلے لفظ متعہ کے معنی و مطلب سمجھ لیجیے۔

لفظ متعہ کے معنی!

”متعہ“ کا لفظ ”متاع“ سے ہے اور متاع اس چیز کو کہتے ہیں جس سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کیا جائے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس لفظ کا ذکر ہوا ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱): آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں اس دنیا کی چند روزہ زندگی کو متاع فرمایا ہے:

﴿يَقُومُ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾

”اے میری قوم! دنیا کی زندگی بس چند روز کا فائدہ ہے اور آخرت کا گھر ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

(سورہ مؤمن: ۳۹)

(۲): ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ، قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾

”اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکانے کے لئے ہی مقابل ٹھہرائے ہیں۔ کہہ دو (زندگی کا

تھوڑا سا) نفع اٹھاؤ! پھر تمہیں جہنم کی آگ کی طرف لوٹنا ہے۔“ (سورہ ابراہیم: ۳۰)

(۳): حج افراد جس میں میقات سے صرف حج کی نیت کی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ایسے حج کو

تمتع کہا گیا ہے جس میں حج کے ساتھ عمرہ کرنے کا نفع بھی حاصل کر لیا جائے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾

”پس جو شخص عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھائے (ایام حج میں عمرہ بھی کرے) تو اس پر واجب ہے

کہ جو قربانی آسان ہو (اسے ذبح کرے)۔“ (سورہ بقرہ: ۱۹۶)

(۴): اگر کوئی شخص صحبت سے پہلے طلاق دیدے اور مہر کی کوئی مقدار مقرر نہ کی گئی ہو۔ ایسے شخص پر

واجب ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو اپنی وسعت کے مطابق کچھ سامان، مثلاً: ایک جوڑا کپڑے وغیرہ دیدے

چونکہ سامان مہر کے مقابلے میں کم ہوتا ہے۔ اس لئے اس جوڑے وغیرہ کو بھی متاع یعنی متعہ طلاق کہتے ہیں۔

اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدَرُهُ﴾

”اور انہیں کچھ سامان دو۔ وسعت والے پر اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست کے ذمے اس کی

حیثیت کے مطابق ہے۔“ (سورہ بقرہ: ۲۳۶)

اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا ہو پھر رخصتی سے پہلے شوہر نے طلاق دیدی، ایسے شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾

”تو (اس صورت میں) جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو، اس کا نصف دینا واجب ہے۔“ (سورہ

بقرہ: ۲۳۶)

اگر مہر مقرر ہو اور صحبت و ہمبستری کی گئی ہو، اس کے بعد طلاق کی نوبت آئے یا نہ آئے، بہر حال شوہر پر پورا مہر دینا لازم ہے۔ ایسی صورت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾

”پھر جن عورتوں سے تم نے (صحبت اور ہمبستری کا) فائدہ اٹھایا ہے، انہیں مقرر کردہ مہر دے

دو۔ (سورہ نساء: ۲۴)

نکاح مؤبد اور نکاح موقت!

لفظ متعہ اور متاع کے معنی اور مطلب سمجھنے کے بعد اب نکاح کی اس صورت کو جان لیجئے جسے متعہ یا متعہ النکاح کہتے ہیں۔

نکاح کی ایک قسم تو وہ ہے جو زندگی بھر آپس میں رہنے کے ارادے سے کیا جاتا ہے اور یہی اصل نکاح ہے۔ اس کو نکاح صحیح کہتے ہیں۔

نکاح کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک معین مدت کے لئے گواہوں کے سامنے کسی عورت سے نکاح کیا جائے۔ اس کی صورت نکاح صحیح جیسی ہوتی ہے۔ معینہ مدت گزرنے کے بعد میاں، بیوی کے درمیان خود بخود بغیر طلاق کے جدائی واقع ہو جاتی ہے۔ جدائی کے بعد وہ عورت استبراء رحم کے لئے ایک ماہواری کا انتظار کرتی ہے تاکہ اس کا رحم دوسرے کے نطفے کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے۔ چونکہ اس عارضی اور وقتی نکاح میں نکاح مؤبد کے مقابلے میں تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس نکاح موقت کو ”متعہ“

مُتْعَةُ النِّكَاحِ، نکاحِ مُتْعَةٍ اور مُتْعَةُ النِّسَاءِ“ بھی کہتے تھے۔ نکاحِ موقت کا یہ طریقہ عرب میں اسلام سے پہلے بھی رائج تھا۔ جو لوگ دوسرے ملک تجارت یا کاروبار کے لئے جاتے یا جنگ وغیرہ میں کچھ عرصہ قیام کرتے تھے، وہ سفری ضرورتوں کے تحت ایسا وقتی اور عارضی نکاح کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے بھی سفری اور ہنگامی مجبوریوں اور سخت ضرورت کے تحت اس نکاحِ موقت کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اسی نکاحِ موقت، مُتْعَةٍ کے جواز کے قائل ہیں۔ جیسا کہ آنے والی حدیثوں میں انہوں نے خود اپنے بیان سے اس کی وضاحت کی ہے۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر انہوں نے بھی اس نکاح کو حرام قرار دے دیا تھا۔ یہاں اس کے متعلق چند احادیث پڑھ لیجیے:

(۱): حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ (جہاد) میں شامل تھے۔ ہمارے ساتھ بیویاں نہیں تھیں۔ ہم نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا! کیا ہم اپنے آپ کو خفی نہ کر دیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس منع فرمایا۔

((ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نُنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالثُّوبِ إِلَى أَجَلٍ))

”پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد ہمیں یہ اجازت دی کہ ہم (کسی چیز) کپڑے وغیرہ کے بدلے ایک مدت تک عورت کے ساتھ نکاح کر لیں۔“ (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۲): بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

((ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نُسْتَمْتَعَ فَكَانَ أَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْأَةَ بِالثُّوبِ إِلَى أَجَلٍ))

”پھر نبی کریم ﷺ نے ہمیں مُتْعَةٍ کرنے کی اجازت دی، تو ہم میں سے کوئی عورت کے ساتھ کپڑے کے بدلے ایک مدت کے لئے نکاح کر لیتا۔“ (بخاری و مسلم، جامع الاصول، جلد ۲، صفحہ ۱۳۱، حدیث نمبر ۸۹۴۶)

حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں:

((رَخَّصَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَامَ أُوطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهَى عَنْهَا))

”رسول اللہ ﷺ نے غزوہ اوطاس کے موقع پر تین دن کے لئے نکاحِ مُتْعَةٍ کی اجازت دی تھی،

پھر اس سے منع فرمایا۔“ (صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۱، جامع الاصول، جلد ۱۲، صفحہ ۱۳۱)
 (۳): حضرت سبرہ الجہنیؓ فرماتے ہیں: میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ كُنْتُ أَذْنُ لَكُمْ فِي الْإِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ.....))

”اے لوگو! میں نے تمہیں (نکاح موقت کے ذریعے) عورتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیدی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح موقت) کو اب قیامت تک کے لئے حرام فرمایا ہے۔“ (صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۱)

(۴): اور یہی سبرہ الجہنیؓ فرماتے ہیں:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ))

”نبی کریم ﷺ نے نکاح متعہ سے منع فرمایا۔“ (صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۲)

ایک دوسری حدیث میں سبرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا إِنَّهَا حَرَامٌ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

”خبردار! یہ نکاح متعہ آج سے لے کر روز قیامت تک حرام ہے۔“

(۵): حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

((أَنَّ الْمُتْعَةَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدُمُ الْبَلَدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ

الْمَرْأَةَ بِقَدَرِ مَا يَرَى أَنَّهُ يُقِيمُ فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعًا وَتُصْلِحُ لَهُ شَيْئُهُ حَتَّى إِذَا نَزَلَتِ الْآيَةُ ﷻ إِلَّا عَلَى

أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَمْلَكَتٍ أَيْمَانُهُمْ ﷻ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا حَرَامٌ))

”متعہ (یعنی نکاح موقت) ابتداء اسلام میں مباح تھا۔ (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) کوئی شخص کسی

ایسے شہر میں جاتا جہاں اس کی کوئی واقفیت نہ ہوتی تو وہ کسی عورت سے اس وقت تک کے لئے نکاح و شادی

کر لیتا، جب تک اس کا وہاں قیام اور ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ (بیوی) اس کے سامان کی حفاظت کرتی تھی

اور اس کی ضروریات (کھانا وغیرہ) بھی اس کے لئے تیار کرتی۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾

تو ابن عباسؓ نے فرمایا: ان دونوں (یعنی بیوی اور باندی) کے سوا ہر فرج (شرمگاہ) حرام ہے۔“ (ترمذی، باب ماجاء فی نکاح المتعة: ۱/۲۱۳، سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۷، باب نکاح المتعة)

مذکورہ بالا روایات میں غور کیجیے! ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جس متعہ کی اجازت دی گئی تھی، وہ نکاح موقت ہی تھا۔ چونکہ یہ نکاح، نکاح مؤبد کے مقابلے میں ایک خاص وقت تک ہوتا تھا اور اس میں نکاح مؤبد کے مقابلے میں ایک دوسرے کے لئے کم فائدہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس نکاح کے لئے ”متعہ، نکاح متعہ اور نکاح موقت وغیرہ“ کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ اس نکاح کی رخصت و اجازت صرف سفر کی سخت مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے دی گئی تھی، پھر بعد میں جب نکاح و طلاق اور عدت و میراث کے تفصیلی احکامات نازل ہوئے تو اس میں وقتی نکاح کی کبھی گنجائش نہیں رہی۔ اس لئے اب وہ ہمیشہ کے لئے نکاح کے دائرے سے نکل کر حرام ہو گیا۔ یہاں اس کی ممانعت کے بار میں چند احادیث کو پڑھ لیجئے:

(۱): حضرت ابن ابی عمرہؓ فرماتے ہیں:

((أَنَّهَا كَانَتْ رُخْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِمَنِ اضْطُرَّ إِلَيْهَا كَالْمَيْتَةِ وَالْدِّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ ثُمَّ أَحْكَمَ اللَّهُ الدِّينَ وَنَهَى عَنْهَا))

”بلاشبہ (نکاح موقت) یہ رخصت و اجازت ابتدائے اسلام میں ان کے لئے تھی جو (سفر کی ضرورتوں کے تحت) مضطر اور سخت مجبور ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ سخت مجبوری کی حالت میں مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے کی اجازت ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو استحکام بخشا (اور محکم، ٹھوس احکامات و ہدایات بھیجیں اور دین اسلام کو کامل و مکمل کر دیا) تو اس نکاح موقت سے منع فرمایا۔“ (صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۵۲)

(۲): حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:

((أَتَمَّارُ خَصَّتْ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فِي غَزَاةٍ لَهُمْ شَكْوًا إِلَيْهِ فِيهَا الْعُزُوبَةُ ثُمَّ نَسَخَهَا آيَةُ النِّكَاحِ وَالْمِيرَاثِ وَالصَّدَاقِ))

”عورت سے متعہ (نکاح موقت) کی رخصت صحابہ کرامؓ کے لئے ایک غزوہ میں ملی تھی۔ جس میں انہوں نے مجرد ہونے کی شکایت کی، تو آیت نکاح، آیت میراث اور صدق نے اس کو منسوخ کر دیا۔“ (کتاب الآثار للإمام محمدؒ، باب من تزوج المتعة: ۹۳)

(۳): حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک طویل روایت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((حَرَّمَ أَوْهَدَمَ الْمُتْعَةَ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِدَّةُ وَالْمِيرَاثُ))

”نکاح، طلاق، عدت اور میراث (والی تفصیل آیات) نے متعہ (یعنی نکاح موقت) کو حرام کر دیا ہے یا منہدم کر دیا ہے۔“ (رواہ الطحاوی فی معانی الآثار، جلد ۲، ۱۷، بیہقی فی السنن جلد ۷، صفحہ ۲۰۷ و ابو یعلیٰ ۱۔ والطبرانی فی الاوسط عن علی بن ابی طالب ۲۔)

نکاح موقت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے!

نکاح متعہ یعنی نکاح موقت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے یہ تھی کہ سفر کی مجبوری اور سخت ضرورت کے وقت یہ نکاح جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی پیدائش ہجرت سے ایک دو سال پہلے کی ہے۔ آٹھ، نو یا دس سال کی عمر تک وہ اپنے والدین کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہے۔ فتح مکہ سن آٹھ ہجری میں جب حضرت ابن عباسؓ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور غزوہ خیبر جس میں پہلی بار حرمت متعہ کا اعلان ہوا تھا، وہ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ کی عمر ایسی تھی کہ اس کم عمری میں عموماً ایسے مسائل کی طرف التفات نہیں ہوتا بلکہ عموماً اس عمر

۱۔ قال الہیثمیؒ وفیہ مؤمل بن اسماعیل وثقہ ابن معین وابن حبان وضعفہ البخاری وغیرہ، وبقیۃ

رجالہ رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد: جلد ۴، صفحہ ۲۶۴)

۲۔ قال الہیثمیؒ وفیہ ابن لہیعۃ وبقیۃ رجالہ ثقات۔ (مجمع الزوائد: جلد ۴، صفحہ ۲۶۵) وقال الحازمی

فی الاعتبار، وقد صحح الحدیث عن علی فی هذا الباب من غیر وجہ، ورواہ عنہ الکوفیون من طرق، وہم

اشہر من ان ینکر واكثر من ان یحصر۔ (الاعتبار: جلد ۲، صفحہ ۲۳۶)

میں اس طرح کے مسائل پوری طرح سمجھ میں بھی نہیں آسکتے پھر نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر دس سے پندرہ سال کے درمیان بتائی جاتی ہے اور اکثر مؤرخین اور علماء اسمائے رجال اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال بتاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نکاحِ متعہ کے بارے میں جو کچھ ان کو معلوم ہوا ہے وہ دوسرے صحابہ کرام سے قرآن مجید کی آیت:

﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾

جیسی دیگر آیات سے بھی ان کو معلوم ہوئی ہے نیز یہ متعہ جن ضرورتوں کے تحت مباح قرار دیا گیا تھا۔ اس کی حرمت کو صحابہ کرام سے بھی سنا تھا مگر وہ اس کے بارے میں اجتہاد کیا کرتے تھے کہ قرآن مجید کی واضح آیات کی رو سے خون، مردار کا گوشت اور خنزیر کا گوشت حرام ہے مگر جب بھوک سے مرنے کا خطرہ ہو تو ایسی سخت مجبوری کی حالت میں قرآن مجید کی رو سے ان حرام چیزوں کا کھانا بقدر ضرورت جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر (جانوروں میں سے) صرف مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیزیں بھی (حرام کی ہیں) جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو پھر جو شخص مجبور (بھوک کے مارے بے تاب) ہو جائے اور وہ (ان حرام چیزوں کے کھانے کا) خواہشمند اور حد سے آگے بڑھنے والا بھی ہو تو اس شخص پر (ان چیزوں کے بقدر ضرورت کھانے میں) کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (سورہ بقرہ: ۱۷۳، سورہ مائدہ: ۱۱۵)

گویا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نکاحِ متعہ کو اس پر قیاس کرتے تھے کہ جس طرح قرآن مجید کے مطابق خنزیر وغیرہ کا گوشت حرام ہے مگر جان بچانے کی خاطر بقدر ضرورت اس کا استعمال مباح ہے۔ اسی طرح نکاحِ متعہ بھی حالتِ مجبوری میں مباح ہے اور بعض روایات میں ان کا یہ قیاس کرنا اور اجتہاد کرنا خود

انہی سے منقول بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جب یہ پوچھا گیا کہ اس کی یہ رخصت و اجازت صرف سخت مجبوری کی حالت میں دی گئی تھی جب کہ عورتوں کی قلت تھی، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”نعم“ جی ہاں! (صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۷، کتاب نکاح المتعة، باب نہی رسول اللہ ﷺ عن نکاح المتعة اخیراً)

نیز ایک طویل روایت میں آپؓ سے جب اس کے جواز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

((مَا هَذَا أَرَدْتُ وَمَا بِهِذَا أَفْتَيْتُ إِنَّ الْمُتْعَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِمُضْطَرٍّ إِلَّا إِنَّمَا هِيَ كَالْمَيْتَةِ وَالْدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ))

”میں نے نہ تو (اس کے جواز کا) ارادہ کیا ہے اور نہ میں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ یہ متعہ تو صرف مضطر اور سخت مجبور شخص کے لئے (مباح) ہے۔ خبردار! یہ متعہ تو مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح ہے۔“ (سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۵)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں فرمایا:

((إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وَاللَّهِ مَا أَفْتَيْتُ وَلَا هَذَا أَرَدْتُ وَلَا أَحَلَّلْتُ مِنْهَا إِلَّا مَا أَحَلَّ اللَّهُ مِنَ الْمَيْتَةِ وَالْدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيرِ))

”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ (کہ میں اس کے جواز کا قائل ہوں؟) واللہ! میں نے نہ تو اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور نہ میں نے اس کے جواز کا ارادہ (اور خیال) کیا ہے۔ میں نے تو اس سے صرف اس قدر حلال قرار دیا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت (مضطر اور سخت مجبور شخص کے لئے) حلال کیا ہے۔ (مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۲۶۵، رواہ الطبرانی وقال الهیثمیؒ وفيه الحجاج بن أُرطاة وهو ثقة لكنه مدلس وبقية رجاله رجال الصحيح)

لیکن دوسرے جلیل القدر صحابہ کرامؓ جو ان واقعات و حالات کے عینی شاہد تھے وہ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خلاف تھے۔ یہاں اس کے متعلق چند حوالے ذکر کیے جا رہے ہیں:

(۱): حضرت علیؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اسے جائز کہتے ہیں تو انہیں سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن اس سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، جلد ۲، صفحہ ۷۶۷، و کتاب الحیل، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳۰، صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۲)

(۲): حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کے متعلق بہت سخت جملے فرمادیے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے کی سخت تردید فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۲)

(۳): حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق یہ خبر پہنچی، انہوں نے پہلے تو یہ فرمایا کہ سبحان اللہ!

میں یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ اس کے جواز کے قائل ہونگے لیکن جب لوگوں نے بتلایا کہ ایسا ہی ہے تو آپؓ نے فرمایا:

((وَهَلْ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِلَّا غُلَامًا صَغِيرًا إِذْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عُمَرَ نَهَانَا عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَا كُنَّا مُسَافِحِينَ))

”رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں تو ابن عباسؓ چھوٹے بچے تھے۔ (انہیں اس کے بارے میں کیا علم ہو سکتا ہے؟) پھر ابن عمرؓ نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ہم بے جا پانی بہانے (زنا کرنے) والے نہیں۔“ (رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح خلا المعافی بن سلیمان وهو ثقة، مجمع الزوائد: جلد ۴، صفحہ ۲۶۵، و ذکر الحافظ فی ”التلخیص“ وقال اسنادہ قوی کذا فی موسوعة الامام الشافعی جلد ۶، صفحہ ۲۴۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قیاس پر ایک نظر!

بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قیاس بظاہر صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن جلیل القدر صحابہؓ نے اسے اس لئے مسترد کر دیا کہ یہ قیاس نصوص قطعیہ کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس کی ممانعت کی وجہ نبی کریم ﷺ نے یہ نہیں بیان فرمائی کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں رہی، حالانکہ خود نبی کریم ﷺ کے دور میں خیبر اور فتح مکہ کے بعد

بھی کفار کے خلاف لڑنے کا حکم فرمایا گیا ہے لہذا ایسی صورت میں یہ ضرورت و مجبوری ہمیشہ لوگوں کو پیش ہوتی رہے گی۔ اس کے باوجود نبی کریم ﷺ کا کھل کر یہ اعلان اور ارشاد فرمانا کہ آج سے لے کر قیامت تک کے لئے نکاح متعہ حرام ہے۔ اس بات کی کھلی دلیل یہ ہے کہ قضاء شہوت کے لئے بہتاتی اور سفری مجبوریاں نکاح متعہ کو مباح نہیں کر سکتیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید میں بھی کوئی ایسا دور کا اشارہ بھی نہیں ملتا کہ سخت مجبوری کی حالت میں بیوی یا باندی کے سوا کسی دوسری جگہ بھی قضاء شہوت کی اجازت ہو، بلکہ قرآن مجید نے تو ایمان والوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ بیوی اور باندی کے علاوہ ہر قسم کی قضاء شہوت سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بھوک و پیاس میں انسان کو وہ اضطراری حالت پیش آسکتی ہے جس کے بعد انسان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے، ایسی مجبوری شہوت کے معاملے میں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن نے نہ تو اس کی طرف اشارہ فرمایا اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اس کی کوئی تفصیل بیان فرمائی بلکہ نکاح متعہ کو قیامت تک کے لئے مکمل طور پر حرام ٹھہرایا ہے۔

اس قیاس کے متعلق امام حازمی لکھتے ہیں:

”قَالَ الْخَطَابِيُّ فَهَذَا يَبِينُ لَكَ أَنَّهُ سَلَكَ فِيهِ مَذْهَبُ الْقِيَاسِ وَشَبَّهَ بِالْمُضْطَرِّ إِلَى الطَّعَامِ الَّذِي بِهِ قَوَامُ الْإِنْفُسِ بَعْدَ مَمْلُوءِهِ يَكُونُ التَّلَفُ وَأَمَّا هَذَا مِنْ بَابِ مَنْ غَلَبَتِ الشَّهْوَةُ وَمَصَابِرُهَا مَمْكُنَةٌ وَقَدْ تَحَسَّمُ مَادَتَهَا بِالْصَّوْمِ وَالْعِلَاجِ وَلَيْسَ أَحَدُهُمَا فِي حَكْمِ الْضَرُورَةِ كَالْآخِرِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ“

”خطابی کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس مسئلے میں قیاس پر چلے ہیں۔ انہوں نے نکاح متعہ کو طعام کے لئے مضطر اور بے تاب شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ طعام (بقائے حیات کا ذریعہ ہے اور اس) کے ساتھ جانیں قائم رہتی ہیں اور اس کے بغیر موت واقع ہو جاتی ہے اور یہ (نکاح متعہ کا) مسئلہ تو غلبہ شہوت سے متعلق ہے، جس پر صبر بھی ممکن ہے اور اس غلبہ شہوت کے مادہ کو روزے اور علاج کے ذریعے توڑا بھی جاسکتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں مسئلے ضرورت کے حکم میں ایک جیسے

نہیں۔ (بلکہ ان دونوں مسئلوں میں فرق ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا) واللہ اعلم۔“ (کتاب الاعتبار، جلد ۲، صفحہ ۶۴۰)

نکاح، متعہ نکاح کے دائرے سے کب اور کیوں خارج ہوا؟

بیوی اور باندی کے علاوہ قضائے شہوت کے تمام راستوں کو قرآن و اسلام نے مکی دور کی ابتدا ہی سے حرام قرار دیا تھا اور ﴿الْأَعْلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ...﴾ کی یہ آیات مکی دور میں نازل ہوئی۔ ان آیات کی رو سے نکاح متعہ بھی بیوی اور باندی کے علاوہ میں شامل تھا۔ کیونکہ بیوی وہی ہوتی ہے جس سے زندگی بھر رہنے کا معاہدہ ہو اور جس عقد میں جدائی کا وقت مقرر ہو تو یہ نکاح، نکاح ہی نہیں۔ مگر چونکہ یہ نکاح متعہ بھی ایک قسم کا نکاح تھا اور اس میں بھی نکاح کی بعض قیود و شرائط پائی جاتی ہیں۔ اس لئے بعض غزوات میں اس کی اجازت دیدی گئی لیکن بالآخر نکاح، طلاق، ظہار، ایلاء و عدت، میراث اور لعان کے تفصیلی احکامات نازل ہوئے۔ جس میں ظہار، ایلاء، لعان اور طلاق کی حدود مقرر ہوئیں اور طلاق کے بعد عورت پر تین حیض گزرنے کی عدت اور انتظار کو لازم قرار دیا گیا اور نکاح کے ساتھ میراث کو جوڑ دیا گیا اور بیوی کے مال سے شوہر کی میراث اور شوہر کے مال سے بیوی کی میراث کے حصے مقرر ہوئے۔ ان تمام تفصیلات کے آنے کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی کہ نکاح وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ طلاق میراث وغیرہ کے احکامات وابستہ ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے ان تفصیلات کے بعد دائرہ نکاح میں، نکاح موقت اور نکاح متعہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی۔ نکاح موقت کے جو اشارے: ﴿الْأَعْلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ...﴾ مکی آیات میں موجود تھے، وہ ابھر کر صراحت اور یقین کے ساتھ کھل کر سامنے آ گئے۔ جیسا کہ بعض روایات میں خود نبی کریم ﷺ نے نکاح متعہ کی قطعی حرمت کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ:

((حُرْمٌ أَوْ هُدْمٌ الْمُتْعَةِ النَّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِدَّةِ وَالْمِيرَاثِ))

”نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعہ (نکاح موقت) کو (قطعی) حرام قرار دیا ہے۔“

سنن بیہقی ص ۲۰۷ ج ۷ و مجمع الزوائد ۴/۳۶۳-۲۶۵

اور وہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ جو اس وقتی نکاح اور اس کی رخصت اور اس کی حرمت کے براہ راست اور عینی گواہ تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ۔ انہوں نے بھی متعہ اور نکاح موقت کی قطعی حرمت اور اس کے دائرہ نکاح سے خارج کرنے کا سبب یہی بتایا ہے کہ اسے نکاح و طلاق اور عدت و میراث کی تفصیلی احکامات نے منسوخ قرار دیا ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

متعہ بمعنی نکاح موقت قطعی حرام ہے!

خلاصہ یہ کہ قرآن و حدیث کی قطعی اور واضح نصوص سے یہ ثابت ہے کہ متعہ بمعنی نکاح موقت یقینی طور پر حرام ہے اور جب سے اس کی کھلی حرمت نازل ہوئی اس وقت سے لے کر آخر تک تقریباً ہر غزوہ میں آپ ﷺ اس کی حرمت کا اعلان فرماتے رہے تاکہ لوگوں کو بار بار اس کی حرمت کو یاد دلایا جائے اور جنہوں نے اس کی حرمت کے بارے میں نہیں سنا ہے وہ بھی سن لیں نیز جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں وہ بھی اس کی حرمت سے آگاہ ہو جائیں پھر حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب اسلام دور دور تک پھیل گیا اور بہت سے لوگ اس کی حرمت سے ناواقف تھے اور حضرت عمر فاروقؓ کو یہ خبر بھی پہنچی کہ بعض لوگوں نے ناواقفیت کی وجہ سے اس فعل کا ارتکاب کیا ہے، تو آپ سخت ناراض ہو گئے اور منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا اور متعہ کی حرمت کا اعلان فرمایا اور فرمایا کہ میرے اس اعلان کے بعد اگر کوئی متعہ کرے گا تو اس پر زنا کی حد جاری کروں گا۔ (سنن بیہقی: ۷/۲۰۶، مسلم مختصر: ۱/۲۵۱ و سنن الدارقطنی حدیث نمبر ۳۶۰۱ ص ۳۰۲ ج ۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے قیاس سے رجوع فرمایا ہے!

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بعد میں اپنے اس قیاس سے رجوع فرمایا ہے لیکن جن روایتوں سے رجوع کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کے اسانید ضعیف ہیں لیکن حضرت ابن عباسؓ جیسے متقی پرہیزگار متبحر عالم کے بارے میں یہی قرین قیاس ہے کہ ان کے سامنے جب یہ سارے شواہد اور دلائل جمع ہو گئے تو وہ بہر حال و بہر صورت نکاح متعہ کی حرمت کے قائل ہو گئے اور انہوں نے اپنے سابقہ قیاس سے رجوع فرمایا ہے۔

(۱): حضرت قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

”وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ بِأَبَا حَتِّهَا وَرَوَى أَنَّهُ رَجَعَ عَنْهُ“

”ابن عباسؓ اس کو (پہلے) مباح سمجھتے تھے اور ان سے اس کا رجوع بھی منقول ہے۔ (شرح

نوی علی المسلم ص ۴۵۰ ج ۱)

(۲): ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا اس مسئلہ سے رجوع کرنا ثابت ہے۔

(تفسیر قرطبی ص ۳۲ ج ۳)

(۳): حضرت امام حازمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ وہ اس کو صرف

لمبی مدت کے سفر کی سخت مجبوری کی حالت میں مباح سمجھتے تھے (مگر) پھر حضرت ابن عباسؓ نے اس سے

توقف اختیار کیا (یعنی اس سے رجوع فرمایا) اور (حالت اضطرار میں بھی) اس کے جائز کہنے سے رک

گئے۔ (الاعتبار ص ۶۳۸ ج ۲ نیز دیکھئے نصب الراية، جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، کتاب النکاح)

(۴): حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

”وقد روى عن ابن عباس انه انصرف عن المتعة وانه قال نسخ المتعة ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلَّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ﴾“

”حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نکاح متعہ سے رجوع فرمایا ہے اور وہ فرماتے

ہیں کہ نکاح متعہ کو اس آیت کریمہ نے منسوخ کر دیا ہے: ”اے اللہ کے نبی! (مسلمانوں سے کہہ

دیجیے) کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو عدت کو ملحوظ رکھا کرو۔ (سورہ

طلاق: آیت ۱، استدکار، جلد ۵، صفحہ ۷۰۵)

(۵): امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

((انما روى عن ابن عباس شىء من الرخصة فى المتعة ثم رجع عن قوله.....))

”حضرت ابن عباسؓ سے متعہ میں تھوڑی سی (سفر کی سخت مجبوری کی حالت میں) رخصت منقول

ہے، پھر انہوں نے اس (تھوڑی سی رخصت جو کہ سفر کی مجبوری کی بنا پر دی گئی تھی اس) سے بھی رجوع

فرمایا۔“ (سنن ترمذی، جلد ۱ ص ۲۱۳، باب ما جاء فى نكاح المتعة)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نکاح متعہ کی رخصت کی وجہ اور اس سے رجوع کا سبب بھی یوں

بیان فرمایا ہے:

((أَنَّمَا الْمُتْعَةُ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ))

”متعہ (یعنی نکاح موقت) ابتداء اسلام میں مباح تھا۔ (تفصیل یہ ہے کہ) کوئی ایسے شہر میں جاتا جہاں اس کی کوئی واقفیت نہ ہوتی تو وہ کسی عورت سے اس وقت تک کے لئے نکاح و شادی کر لیتا، جب تک اس کا وہاں قیام اور ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ (بیوی) اس کے سامان کی حفاظت کرتی تھی اور اس کی ضروریات کھانا وغیرہ بھی اس کے لئے تیار کرتی۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَمْلَكَتِ أَيْمَانِهِمْ﴾

تو ابن عباسؓ نے فرمایا: ان دونوں (بیوی اور باندی) کے سوا ہر فرج (شرمگاہ) حرام

ہے۔ (ترمذی)

اس حدیث میں غور کیجیے! حضرت ابن عباسؓ کس قدر صاف صاف الفاظ میں اپنے قیاس سے رجوع فرما رہے ہیں۔ کیونکہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ نکاح متعہ کی اجازت صرف سفر کی ضرورتوں کی بنا پر دی گئی اور کوئی بھی صحابی اور صاحب علم اس کا قائل نہیں کہ یہ نکاح سفر کے بغیر بھی مباح تھا۔ جیسا کہ اس کی تصریح اس حدیث میں بھی موجود ہے۔ جس کی تفصیل اس سے قبل متعہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔

البتہ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ ﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَمْلَكَتِ أَيْمَانِهِمْ﴾ بالاتفاق مکی دور کی آیات ہیں اور نکاح متعہ ہجرت کے کافی عرصے بعد حرام ہوا ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ان آیات سے متعہ کی حرمت پر استدلال کیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو متعہ کی حرمت والی حدیثیں پہنچیں، پھر انہوں نے ان آیات: ﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَمْلَكَتِ أَيْمَانِهِمْ﴾ میں غور کیا کہ منکوحہ بیوی کیا ہوتی ہے؟ اس کے متعلق مدنی دور کی آیات میں جو تفصیلات نازل ہوئی تھیں کہ بیوی اور نکاح صحیح وہی ہوتا ہے جس کے انعقاد کے ساتھ مہر کے علاوہ عدت، طلاق، میراث کے احکامات بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ مطمئن ہو کر اس نتیجے

پر پہنچے کہ نکاح متعہ جس کو سفری مجبوریوں کی بنا پر مباح قرار دیا گیا تھا، وہ بھی نکاح کے دائرے سے خارج ہو گیا ہے اور نکاح صحیح کی تفصیلات نازل ہونے کے بعد اب منکوحہ بیوی یا باندی کے سوا ہر فرج اور شرمگاہ قطعی طور پر حرام ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا:

((حَتَّىٰ إِذَا نَزَلَتِ الْآيَةُ ﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَمْلَكَتُ أَيْمَانُهُمْ﴾))

”یہاں تک کہ یہ آیات: ﴿الْأَعْلَىٰ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَمْلَكَتُ أَيْمَانُهُمْ﴾ نازل ہوئیں۔“ (یعنی ان آیات کی پوری تفصیلات نازل ہوئیں۔) تو اس کے بعد ان دونوں (منکوحہ بیوی اور لونڈی) کے سوا ہر فرج حرام ہے۔ کبھی نکاح صحیح کی تفصیلات بھی بیان فرمائیں اور فرمایا کہ اس آیت کو طلاق اور عدت نے منسوخ کر دیا۔ (الاستدکار لحافظ ابن عبد البر، جلد ۵، صفحہ ۵۰۷)

نکاح متعہ کی حرمت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے!

(۱) حضرت امام نوویؒ مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

((قال القاضی واتفق العلماء علی أن هذه المتعة كانت نکاحا الی اجل لامیراث فیها وفراقها یحصل بانقضاء الاجل من غیر طلاق و وقع الاجماع بعد ذلك علی تحریمها من جمیع العلماء إلا الروافض وکان ابن عباس یقول باباحتها، وروی عنه انه رجع عنه.))

”قاضی عیاض فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متعہ ایک نکاح موقت تھا، اس میں میراث نہیں ہوتی تھی اور اس کی جدائی مقررہ وقت کے پورے ہونے کے ساتھ ہی وجود میں آتی تھی۔ اس کے بعد اس کی حرمت پر (امت مسلمہ کا اجماع) ہو چکا ہے، سوائے روافض کے (وہ اب بھی اس کے جواز کے قائل ہیں) اور ابن عباسؓ (ایک عرصے تک) اس کو مباح سمجھتے تھے، ان کا اس سے رجوع کرنا بھی منقول ہے۔“ (صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۰)

(۲): حضرت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

((ولا خلاف الآن بین الائمة و علماء الامصار الا الشیعة فی عدم جوازها))

”اب سوائے شیعوں کے تمام شہروں کے علماء میں متعہ کے عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں (بلکہ

یہ تمام ائمہ اور علماء کے نزدیک حرام ہے۔“ (روح المعانی، جلد ۵، صفحہ ۷)

(۳): حضرت امام جعفر صادق بن محمدؑ سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”ہی

الزنا بعینہ“ متعہ زنا ہی ہے۔ (سنن بیہقی، فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۷۸، ونیل الاوطار، جلد ۶، صفحہ ۱۴۵)

(۴): ابن عربی فرماتے ہیں:

((وقد كان ابن عباس يقول بجوازها ثم ثبت رجوعه عنها فانه قد اجماع على

تحريمها))

”حضرت ابن عباسؓ (حالت اضطرار میں پہلے) اس کو جائز کہتے تھے، پھر اس سے ان کا رجوع

بھی ثابت ہے لہذا اس کے حرام ہونے پر (امت مسلمہ کا) اجماع ہے۔ (تفسیر قرطبی، جلد ۳،

صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳)

(۵): امام حازمیؒ فرماتے ہیں:

((فلم يبق اليوم في ذلك خلاف بين فقهاء الامصار وائمة الامة الاشياء ذهب اليه

بعض الشيعة))

”پس اب تمام شہروں اور امت مسلمہ کے اماموں میں اس مسئلے ((یعنی متعہ کی حرمت) کے

بارے میں کوئی اختلاف نہیں، سوائے بعض شیعوں کے۔ (الاعتبار، جلد ۲، صفحہ ۶۳۰)

نکاح متعہ کی بحث کا خلاصہ!

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں وقتی طور پر جس متعہ کی

رخصت دیدی گئی تھی وہ مروجہ متعہ نہیں تھا، بلکہ ان دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک نکاح تو یہی نکاح مؤبد تھا جو ہمیشہ رہنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

دوسرا نکاح وہ تھا جس کی اجازت آپ ﷺ نے صرف حالت اضطرار میں عارضی وقت کے لئے سفر کی سخت

مجبوری کی بنا پر دیدی تھی جو طے شدہ مدت ختم ہونے کے ساتھ خود بخود ختم ہو جاتا تھا اور نکاح ختم ہو جانے

کے بعد اس لڑکی کو اگر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا ہوتا تو وہ پہلے نکاح کے ختم ہونے کے بعد ایک

ماہواری تک انتظار کرتی۔ اگر ماہواری گزر جاتی اور پہلے نکاح سے اس کا حمل نہ ٹھہرا ہوتا تو اس کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کیا جاتا چونکہ اس وقت نکاح سے وابستہ تفصیلی احکامات عدت، طلاق، ظہار، ایلاء اور میراث وغیرہ نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے یہ عارضی نکاح جس کی صورت نکاح کی تھی، اس کو بھی دائرہ نکاح میں داخل سمجھا گیا۔ جس کی رخصت صرف جنگ و سفر کی مجبوریوں کے تحت دی گئی تھی۔ یہ عارضی نکاح چونکہ ایک خاص وقت تک ضرورت کے تحت دوران سفر کیا جاتا تھا اور اس وقتی نکاح سے ایک دوسرے کو خاص وقت تک فائدہ ہوتا تھا جو نکاح مؤبد کے مقابلے میں کم ہوتا تھا۔ اس لئے وہ اس نکاح کو متعہ یا متعہ النکاح کہتے تھے لیکن جب نکاح سے متعلق تفصیلی اور محکم و ٹھوس احکامات عدت میراث وغیرہ نازل ہوئے تو نکاح میں اس عارضی نکاح کی گنجائش نہ رہی اور یہ نکاح کے دائرے سے نکل کر ہمیشہ کیلئے حرام ہو گیا اور جب سے اس کی حرمت نازل ہوئی اس کے بعد سے تقریباً دس ہجری تک برابر ہر غزوہ میں آپ ﷺ اس کی حرمت کا اعلان فرماتے رہے تاکہ دور دور تک پھیلے ہوئے مسلمانوں اور نئے نئے اسلام لانے والوں کو اس کی حرمت کا علم ہو جائے اور جب یہ خبر تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے کھل کر آ گئی، تو اس کی حرمت میں کوئی شک باقی نہ رہا۔

نکاح اعلانیہ ہونا چاہئے!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”نکاح اعلانیہ کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور اس موقع پر دف بجایا کرو۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۶، مطبع مجیدی کانپور)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے اور اس کیلئے آسان اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ نکاح مسجد میں پڑھا جائے ایک تو مسجد کی برکت حاصل ہوگی اور لوگوں کو جمع کرنے کی تکلیف بھی نہ ہوگی گواہوں کی شرط بھی خود بخود پوری ہو جائے گی اسی طرح نکاح وغیرہ شادیوں میں دف اور طبل اور عمدہ اشعار کی بھی اجازت ہے لیکن اس میں فحش گانے، ہارمونیم، باجے وغیرہ جیسی چیزیں بہر حال ناجائز ہیں جیسا کہ اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ شعر کے بیان میں آئے گا۔

نکاح اور رخصتی کے وقت ولیمہ!

جو دعوت نکاح اور رخصتی پر کی جاتی ہے اسے ولیمہ کہتے ہیں یہ دعوت اور کھانا نکاح و شادی کی خوشی کی نعمت میں بطور شکر کھلایا جاتا ہے نیز اس کی وجہ سے نکاح اور رخصتی کا لطیف پیرائے میں ایک عملی اعلان اور نکاح کی تشہیر بھی ہو جاتی ہے اور نکاح اور رخصتی کے متعلق لوگوں کو اچھی طرح خبر بھی ہو جاتی ہے، نیز اس سے بیوی اور بیوی کے خاندان والوں کی حوصلہ افزائی بھی ہو جاتی ہے کہ بیوی، شوہر اور اس کے خاندان کی نظر میں باعزت ہے اور وہ خوش ہیں۔

یہ دعوت رخصتی کے بعد سنت ہے مگر اس میں فضول خرچی سے بچنا چاہئے اور حسب استطاعت جس قدر سہولت اور سادہ طریقے سے انتظام کر سکے اتنا ہی کرے محض اپنی شہرت اور نام و نمود کی دعوت کرنا اور اس کیلئے قرض لینا درست نہیں اس دعوت کی کوئی حد اور مقدار مقرر نہیں البتہ اس میں اسراف و ریاد نام آوری اور شہرت کی حرص سے بچنا چاہئے۔ نیز اس میں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ آپ کی یہ دعوت دوسرے غریب لوگوں کیلئے معاشرتی جبر اور دباؤ کا سبب نہ بنے اب دعوت ولیمہ کے متعلق ایک حدیث کو پڑھ لیجیے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے:

((ان النبی ﷺ رأى على عبد الرحمن ابن عوف اثر صفرة فقال ما هذا قال انی

تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب قال بارك الله لك اولم ولو بشاة))

”نبی کریم ﷺ نے عبد الرحمن بن عوف کے کپڑوں پر زرودی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے اور اس کا مہر کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا مقرر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے، ولیمہ کی دعوت کرو اگرچہ بکری کے ساتھ ہو۔“ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ جلد ۲، صفحہ ۱۰)

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ پر زرودی کا ہلکا سا اثر اسی وجہ سے تھا کہ نئی عورتیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے لباس پہنتی تھیں اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا بدن پر بھی آ جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسی طرح کا اثر عبد الرحمن بن عوفؓ پر محسوس کیا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا اور عبد الرحمن بن عوفؓ نے

اس کی تفصیل بیان کی اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ایسا بتا دیا تھا کہ وہ اپنی شادی کی تقریبات میں بھی حضور ﷺ کو شرکت کی تکلیف نہیں دیتے تھے، حالانکہ صحابہ کرامؓ کے جو تعلقات جو محبت و خیر خواہی رسول اللہ ﷺ سے تھی وہ ماں باپ اور اپنی اولاد وغیرہ سے بدرجہا زیادہ اور برتر تھی پھر عبد الرحمن بن عوفؓ تو ایک جلیل القدر صحابی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور آپ ﷺ پر مال و جان فدا کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کو شرکت کی زحمت نہ دی حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اگلے روز دریافت کرنے پر معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے مبارک باد دی اور دعوت ولیمہ کی ترغیب دی اس حدیث میں بکرے کے ساتھ ولیمہ کا جو ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ایک بکرا ضرور ہونا چاہئے بلکہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ بہت صاحب ثروت صحابی تھے، رسول اللہ ﷺ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ دل کھول کے ولیمہ کر دیں، چاہو تو دعوت ولیمہ میں ایک بکرا ذبح کر ڈالو ورنہ آپ ﷺ نے خود حضرت زینب بنت جحشؓ کے علاوہ دوسری سب ازواج مطہرات کے نکاح میں کوئی بکری وغیرہ ذبح نہیں کی جیسا کہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر اتنا شاندار ولیمہ نہیں کیا جتنا کہ زینب بنت جحشؓ کے نکاح کے وقت کیا اس موقع پر آپ ﷺ نے پوری بکری کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۰، کتاب النکاح، باب الولیمہ)

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کو نکاح میں لیا تو لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی اور اس دعوت ولیمہ میں دسترخوان پر گوشت روٹی میں سے کچھ نہ تھا۔ کچھ کھجوریں، پنیر اور گھی تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے خاص تکلفات کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ جو بھی سہولت سے مہیا ہو جائے، ولیمہ کر دے۔ البتہ ولیمہ جیسا تیسرا بھی ہو، کرنا چاہئے۔ خواہ دوست و احباب اپنے گھروں سے کھانا اکٹھا کر کے ایک ساتھ کھائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دلی خوشی و مسرت کی بات ہے اور اسے حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار ہو۔ ولیمہ اس شکر کی ایک عملی صورت بھی ہے اور اس میں نکاح کا عملی اعلان بھی۔

نیز ولیمہ کے ذریعے دلہا اور اس کے گھرانے کی طرف سے اس بات کا اظہار بھی ہو جاتا ہے کہ شادی

کے اس رشتے سے ہم خوش ہیں۔ ہم اس رشتے کو قابل شکر اور اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھتے ہیں، تو اس سے منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کو بھی خوشی و مسرت ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و محبت میں اضافہ ہوگا۔

ولیمہ کی دعوت کو بلا وجہ رد نہیں کرنا چاہئے !

((عن عبد الله بن عمر قال، قال رسول الله ﷺ مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يَجِبْ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مَغِيرًا))

”حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی دعوت کی گئی اور اس نے (بلا کسی شرعی ضرورت کے) قبول نہیں کیا، اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو شخص بغیر بلائے کسی دعوت میں شرکت کرے تو وہ چور ہو کر دعوت میں شریک ہوا اور ڈاکہ ڈال کر اس کے گھر سے واپس نکل آیا۔“ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۱، کتاب النکاح، باب الولیمہ)

مطلب یہ ہے کہ بغیر صاحب خانہ کی اجازت کے آنا ایسا ہے، جیسے چھپ کر چور آتا ہو اور جب یہ اندر گھس جاتا ہے تو صاحب خانہ مجبوراً شرم و حیا کے مارے کچھ نہیں کہے گا، لیکن وہ اس کے آنے اور دعوت کھانے پر راضی نہیں ہوگا، تو کسی کا مال بغیر اس کی خوشی و رضامندی کے لے جانا جائز نہیں۔ گویا جس طرح ڈاکو جبراً مال لوٹ کے لے جاتا ہے، اسی طرح یہ شخص بھی اس کی دعوت جبراً کھا گیا۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب دعوت مخصوص لوگوں کے لئے ہو، اگر صاحب خانہ کی طرف سے عام اعلان ہو تو پھر جو بھی آئے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ”بدترین کھانا وہ ہے جس میں صرف دولت مندوں کو بلایا جائے اور حاجت مندوں، غریبوں کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے ولیمہ کی دعوت قبول نہ کی، اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۰، کتاب النکاح، باب الولیمہ)

اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ میں غریبوں اور حاجتمندوں کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں۔ جس دعوت ولیمہ میں صرف مالداروں کو مدعو کیا جائے اور غرباء کو نظر انداز کیا جائے وہ دعوت ولیمہ اس لائق نہیں کہ کھایا جائے۔

ان مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر شرعی ممانعت یا مجبوری نہ ہو تو مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنی چاہئے۔ کیونکہ جب شادی کرنے والے کو ترغیب دیدی گئی کہ وہ ولیمہ کرے، تو ضروری ہے کہ لوگوں کو بھی یہ ترغیب دی جائے کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں تاکہ وہ اس تشہیر میں شرکت کر کے ان گھروالوں کے ساتھ معاون بنے۔ نیز اس سے دل جڑ جاتے ہیں، باہم الفت پیدا ہوتی ہے اور قبول نہ کرنے سے دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہو کر افتراق اور نفرت کی فضاء پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے بلا کسی وجہ دعوت قبول نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے۔ البتہ اگر کوئی شرعی مجبوری ہے۔ مثلاً: قضا روزہ رکھا ہے یا وہاں کسی معصیت کا ارتکاب ہو رہا ہے یا بالکل حرام کھانا ہے یا بیماری ہے یا کوئی دوسرا معقول عذر ہے یا وہ کھانا ایسا ہے کہ دوسرے کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھانے کے لئے شاندار دعوت کرتا ہے وغیرہ وغیرہ، تو ایسی صورتوں میں دعوت میں نہ جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ”رسول اللہ ﷺ نے باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا۔“ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۱، کتاب النکاح)

جو شخص اعلانہ فسق و فجور کر رہا ہو یا جہاں فحش کام نایج، گانا اور دھمال وغیرہ ہو تو وہاں بھی نہیں جانا چاہئے اور جو کھانا ہی حرام ہو، اس کا کھانا تو بالکل ظاہر ہے۔ ان شاء اللہ اس کا مزید بیان جائز اور ناجائز کے عنوان کے تحت آئے گا۔

نکاح و شادی کو مشکل کام نہ بنائیں!

مذکورہ بالا بحث سے اچھی طرح معلوم ہوا کہ نکاح ایک بہت آسان معاملہ ہے کیونکہ اس کے بڑے اخراجات دو (2) ہیں۔

(۱) مہر (۲) ولیمہ

اور یہ بہت ہلکے پھلکے بھی ہو سکتے ہیں۔ نکاح اور شادی جب ہلکی پھلکی ہو تو وہ زیادہ بابرکت ہوتی ہے، لیکن ہم لوگوں نے اس آسان معاملہ کو اس قدر مشکل بنا رکھا ہے کہ پہلے تو لڑکی والا گھرانہ لڑکے اور اس کے گھرانے والوں پر اتنا بوجھ ڈال دیتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کی وجہ سے مقروض ہو جاتے

ہیں اور پھر شادی کی فضول رسومات میں اس قدر خرچ کرتے ہیں کہ بعضوں کی جائیدادیں بھی اس میں چلی جاتی ہیں اور بعض ایسے مقروض ہوتے ہیں کہ وہ اس بوجھ کو اٹھانے کی قوت بھی نہیں رکھتے، بلکہ صوبہ سرحد وغیرہ کے بہت سے علاقوں میں لڑکی کے گھر والے لڑکے کے گھر والوں سے حق مہر کے علاوہ اپنی جیب کے لئے بھی بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ کرتے ہیں، جو کہ صاف کھلم کھلا رشوت اور حرام ہے۔

اس کے برعکس پنجاب وغیرہ بہت سے علاقوں میں لڑکی والوں سے جہیز مانگا جاتا ہے اور اس کو سنت رسول ﷺ قرار دیتے ہیں اور وہ اس کے استدلال میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے روایت ہے:

((جہز رسول اللہ ﷺ فاطمۃ فی خمیل وقرۃ ووسادۃ حشوہا اذخر۔))

”رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمہ الزہرہؑ کو بطور جہیز یہ چیزیں دی تھیں: ایک پلودار چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی۔“ (سنن نسائی)

ہمارے ملک کے بعض علماء نے اس سے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تین (3) چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی فاطمہؑ کے نکاح کے وقت بطور جہیز دی تھیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح کے وقت لڑکی کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج نہ تھا اور نہ اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلہ میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے اور حضرت فاطمہ الزہرہؑ کے علاوہ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کے سلسلے میں بھی کہیں کسی قسم کے ”جہیز“ کا ذکر نہیں آیا، لہذا اس حدیث میں لفظ ”جہیز“ کے معنی اصطلاحی جہیز نہیں بلکہ ضروریات کا انتظام اور بندوبست کرنا ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب کی معاشی تنگی کا شدت سے احساس تھا، بعثت سے پہلے ایک روز آپ ﷺ نے اپنے دوسرے چچا حضرت عباسؑ سے کہا کہ آئیے! ہم ان کے ساتھ کچھ تعاون کرتے ہیں وہ اس طرح کہ ان کا ایک بیٹا میں لیتا ہوں، ایک آپ لے لیں۔ اس طرح ان کی معاشی ذمہ داری کم ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی کفالت آپ ﷺ نے اس وقت اپنے ذمہ لے لی تھی جبکہ حضرت علیؑ کمسن اور بچے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مواخاۃ کے موقع پر جب ایک ایک انصاری اور ایک

ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنایا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ”یہ میرا بھائی ہے“ مطلب یہ تھا کہ جس طرح اس کی کفالت مکہ مکرمہ میں میرے ذمہ تھی اب بھی میرے ذمہ ہے۔ چونکہ حضرت علیؓ کی کفالت آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی اس لئے جب حضرت علیؓ نیا گھر بسانے لگے تو آپ ﷺ نے سرپرست ہونے کی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کے کچھ ضروری سامان کا انتظام فرمایا، کیوں کہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہ تھیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ گھر کے اس ضروری سامان کا انتظام بھی آپ ﷺ نے اس زرہ کو فروخت کر کے اسی کے رقم سے کیا تھا جو زرہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو حق مہر میں دی تھی، اگر بالفرض آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی طرف سے بطور تحفہ اس لئے دیے ہوں تا کہ وہ اپنا گھر بسالیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ ایک سرپرست ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اپنے داماد اور اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام تو کرتے تاکہ اس سے وہ اپنی فوری ضرورت کو پورا کر سکیں۔

اب آپ ہی غور کر لیں کہ اس روایت کو بنیاد بنا کر اس سے مروجہ جہیز پر استدلال کہاں سے درست ہے؟ کیا یہ وہی مروجہ جہیز ہے جس کا مطالبہ لڑکے والا گھرانہ لڑکی کے گھرانے سے کرتا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس کی حیثیت صرف ایک ایسے تحفہ کی سی ہے جو ضرورت کے وقت کوئی شخص بطور شفقت و رحم دلی اپنی بیٹی وغیرہ کو دے دیتا ہے۔

مروجہ جہیز ایک بری رسم اور ہندووانہ رواج ہے اور اسلام بری رسم کو برداشت نہیں کرتا! دین اسلام فطری دین ہے وہ کسی ایسی رسم و رواج کو برداشت نہیں کرتا جس سے برائیاں پیدا ہوں اور جس کی وجہ سے مسائل کھڑے ہو کر معاشرے کے کمزور افراد کو پریشانی میں ڈالیں اور نہ وہ کسی ایسے رسم و رواج کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو شرعی احکام کے ساتھ متصادم ہو یا شرعی احکام میں رکاوٹ ہو، مروجہ جہیز بھی ایک بری رسم غیر اسلامی اور ہندووانہ رواج ہے جو ہندوؤں کے معاشرے سے ہمارے اندر آچکا ہے اور اس سے بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مروجہ جہیز کی خرابیاں!

مروجہ جہیز میں جو خرابیاں ہمارے معاشرے میں پھیل رہی ہیں ان میں چند یہ ہیں:

(۱): نو جوان اور ان کے گھر والے دولتمند گھرانوں کی لڑکیوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کے اخلاق و کردار کو نہیں دیکھتے بلکہ صرف ان کی دولت کو دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں مفت خوری وغیرہ جیسی بہت سی اخلاقی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۲): جہیز چونکہ لڑکی کی شادی کیلئے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے، اس لئے لڑکی کا شوہر اور اس کے گھر والے جہیز پر نظر رکھتے ہیں اور لڑکے والے گویا اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ جہیز کی امیدیں باندھتے ہیں اگر ان کی یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اس کی زندگی کو اس کیلئے جہنم بنا دیتے ہیں۔

(۳): لڑکی کے ماں باپ اور گھر کے دیگر افراد لڑکی کی اخلاقی اصلاح و تربیت کے بجائے اس کی شادی کے لئے جائز و ناجائز طریقوں سے مال جمع کرنے میں مشغول ہوتے ہیں، ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر ہماری لڑکی زیادہ جہیز لے کر جائے گی تو شوہر کے دل میں محبت بڑھے گی۔ حالانکہ یہ خیال غلط ہے، کیونکہ جس محبت کی بنیاد مال و دولت یا حسن ہو وہ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی، سچی محبت اخلاق و کردار سے پیدا ہوتی ہے، لہذا اپنی بیٹی وغیرہ کو شوہر کے حقوق بتلانے کی ضرورت ہے، کہ وہ اس کی فرمانبرداری ہے، اس کی عزت و احترام کرے، اس کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھے اور جائز باتوں و کاموں سے اسے خوش رکھے، ہر وقت اس کے آرام و راحت کی فکر کرے اور اس سے ایسی فرمائش نہ کرے جو اس کے لئے بارگراں ہو اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آیا کرے، گھر میں آتے ہی اس کے سامنے ایسی بات نہ رکھے جس سے وہ تردد اور فکر میں مبتلا ہو جائے اور کھانا پینا اس کے لئے زہر بن جائے، بلکہ ایسے اوقات میں ایسی باتیں کرے جس سے وہ خوش ہو اس کے والدین کے ساتھ اچھا رویہ اور اچھا سلوک کرے تاکہ اس کا شوہر بھی خوش ہو اور اس کا شوہر اور اس کے والدین اسے دعائیں دیں۔

خلاصہ یہ کہ اپنی بیٹی وغیرہ کے لئے جہیز کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے اخلاق سنوارنے اور اس

کو دیندار بنانے کی ضرورت ہے، لیکن جہیز کی لعنت نے معاملے کو بالکل الٹ دیا۔

(۴): مروجہ جہیز ایک معاشرتی دباؤ اور معاشرتی جبر بن چکا ہے، اگر کوئی لڑکی کو بالکل کوئی جہیز نہ دے یا کم دے تو اس کی وجہ سے لڑکی کی ماں باپ اور اس کے گھرانے والوں کو مطعون کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے لڑکی کو بھی طرح طرح کے طعنے دیے جاتے ہیں، اسی وجہ سے لڑکیوں والے حلال و حرام کی تمیز کے بغیر رشوت اور ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تاکہ وہ اپنی لڑکیوں کے جہیز کا بندوبست کر سکیں اور بہت سے غریب لوگ قرض لے کر اپنی بیٹیوں کے لئے جہیز کا بارگراں اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس ملعون جہیز کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں بغیر نکاح کے بوڑھی ہو جاتی ہیں اور اکثر گھرانے لڑکیوں کا بار جہیز نہ اٹھانے اور شرم و حیاء کی وجہ سے اپنے جگر گوشوں کے لئے موت پر راضی ہوتے ہیں اور بہت سے خوشحال لوگ اپنی بیٹیوں کے بیاہنے کی وجہ سے کنگال ہو جاتے ہیں، لہذا جن علاقوں میں یہ قبیح رسم موجود ہے، اس کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔

رسم جہیز کا علاج!

اس قبیح رسم کا علاج ذیل میں بیان کردہ طریقوں سے کیا جائے:

(۱): علماء و اعظین اور خطیبوں کو چاہئے کہ وہ اپنی تحریر و تقریر اور وعظ و نصیحت کے ذریعے اس بری رسم کے خلاف مسلسل لوگوں کی ذہن سازی کی کوشش کریں اور اس کی خلاف ایسی فضا تیار کریں کہ لوگ مروجہ جہیز کو عار اور باعث ذلت سمجھیں اور وہ اس بات کو جان لیں کہ جو جہیز محض شرمائشی کی وجہ سے دے دیا جاتا ہے اس کا استعمال ہمارے لئے حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔

(۲): اس گندی بدبودار رسم کو ختم کرنے کیلئے ایسے نوجوانوں کو تیار کریں کہ وہ اعلان کریں کہ ہم جہیز اور لڑکی والوں کے گھر کا کوئی سامان نہیں لیں گے، اگر وہ دینا بھی چاہیں ہم اسے ہرگز نہیں لیں گے۔

(۳): ایسے معاشرے جہاں اس رسم بدکار و راج ہو اس میں اگر کوئی ماں باپ اپنی بیٹی کو زیادہ مقدار میں تحفے تحائف دینا چاہے تو ان کو چاہئے کہ وہ اس کو شادی کے وقت نہ دیں بلکہ شادی کے بعد وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا کر کے دے دیا کریں اور وہ بھی ایسا خفیہ دیں کہ دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہو اگر شادی کے

وقت ہی کوئی چیز دینی ہو تو وہ معمولی بھی ہونی چاہئے اور خفیہ بھی تاکہ آپ کا یہ عمل غریب لوگوں کی شادیوں میں رکاوٹ نہ بن جائیں۔

نکاح اور شادی کو ہم نے مشکل بنا دیا ہے!

میرے استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ایک بیان میں فرماتے ہیں:

”شریعت نے اس نکاح کو جتنا آسان بنایا تھا، ہم نے اس کو اتنا ہی مشکل بنا دیا، آج نکاح کرنا ایک عذاب ہے سالوں اور مہینوں پہلے سے جب تک اس کی تیاری نہ کی جائے اور اس پر لاکھوں روپیہ خرچ نہ کیا جائے، اس وقت تک نکاح نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کس طرح نکاح ہوتے تھے۔“

سادگی سے نکاح کرنے کا ایک واقعہ!

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ ان کی زندگی میں ہی انہیں خوش خبری دے دی کہ یہ جنت میں جانے والے ہیں۔ یوں تو تمام صحابہ کرامؓ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ تعلق تھا، لیکن عشرہ مبشرہ تو وہ دس صحابہ ہیں جو خواص الخواص ہیں، ان میں سے ایک حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، آپ نے دیکھا کہ ان کی قمیص پر ایک زرد نشان لگا ہوا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہاری قمیص پر یہ پیلا نشان کیسے لگ گیا؟ جواب میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں نے نکاح کیا ہے، نکاح کی وجہ سے میں نے خوشبو لگائی تھی، یہ اس خوشبو کا نشان ہے، آپ نے ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَعَلَيْكَ، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا ”أَوَلَمْ وَلَوْ بِشَاةٍ“ ولیمہ کر لینا چاہے ایک بکری کے ذریعہ ہو۔“ (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب فاذا قضيت الصلوة)

یہ سادگی آپ بھی اختیار کریں!

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ مہاجر صحابہ کرام میں سے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا دور کارشتہ بھی ہے، عشرہ مبشرہ میں ہیں لیکن اپنے نکاح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں بلایا، بلکہ نکاح کے بعد آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے نکاح کر لیا ہے اور پھر خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شکایت یہ نہیں کہا کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کر لیا، ہمیں بلایا بھی نہیں، بلکہ برکت کی دعادی کہ ”بارک اللہ لك وعلیک“ البتہ یہ فرمایا کہ ولیمہ کر لینا، چاہے اس کے لئے ایک بکری ہی ذبح کرنی پڑے، اب دیکھئے کہ نکاح کی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھی دعوت دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اتنی سادگی کے ساتھ نکاح فرمایا۔

آج اگر کوئی شخص اس طرح نکاح کر لے کہ اپنے خاص لوگوں بھی نہ بلائے۔ تو پھر دیکھئے گا کہ اس سے لوگوں کو کتنی شکایتیں ہوں گی، کتنے شکوے اور گلے ہوں گے کہ یہ صاحب تو اکیلے اکیلے نکاح کر کے بیٹھ گئے، ہمیں پوچھا تک نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شکایت نہیں کی۔

حضرت جابر کو نواز نے کا واقعہ!

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ وسلم کا ان کے ساتھ محبت کا بڑا خصوصی تعلق تھا۔ ان کا واقعہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ غزوہ بنی مصطلق سے جہاد کر کے واپس آرہے تھے، ان کا اونٹ بہت سست رفتار تھا اور اڑیل تھا۔ یہ اس کو تیز چلانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر وہ نہیں چلتا تھا پورا قافلہ آگے نکل جاتا اور یہ پیچھے رہ جاتے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ یہ بار بار پیچھے رہ جاتے ہیں تو آپ ان کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ تم قافلہ کے ساتھ ساتھ کیوں نہیں چلتے، انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ اونٹ چل کر نہیں دیتا، میں اس کو تیز چلانے کی کوشش کرتا ہوں مگر یہ پھر پیچھے رہ جاتا ہے۔ آپ نے قریب کی جھاڑی سے ایک لکڑی توڑی اور ہلکے سے وہ لکڑی چابک کے طور پر اس اونٹ کو لگائی جیسے ہی آپ نے وہ لکڑی لگائی، بس وہ اونٹ تو ہوا ہو گیا اور بہت تیزی سے دوڑنے لگا، یہاں تک کہ تمام قافلے سے آگے نکل

گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کے قریب پہنچے اور آپ نے ان سے فرمایا کہ اب تو تمہارا یہ اونٹ بہت تیز دوڑ رہا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی برکت سے اتنا تیز ہو گیا کہ سب سے آگے ہو رہا ہے۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ تو بہت شاندار اونٹ ہے، کیا تم یہ اونٹ مجھے بیچو گے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ، بیچنے کی کیا بات ہے، اگر آپ کو پسند ہے تو آپ میری طرف سے ہدیہ قبول فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ ہدیہ نہیں بلکہ میں تو قیمتاً لوں گا، اگر بیچنا چاہتے ہو تو بیچ دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ خریدنا چاہتے ہیں تو آپ جس قیمت پر چاہیں خرید لیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم بتاؤ کہ کس قیمت پر بیچتے ہو؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو ایک اوقیہ چاندی کے عوض فروخت کرتا ہوں، (اوقیہ چاندی کا ایک وزن ہوتا تھا، جو تقریباً چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا) آپ نے فرمایا کہ تم نے تو بہت زیادہ قیمت لگا دی۔ اس قیمت میں تو بڑے بڑے اونٹ آجاتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ جتنی قیمت لگانا چاہیں لگا دیں، آپ نے فرمایا کہ چلو میں ایک اوقیہ میں خریدتا ہوں اور میں اس کے پیسے مدینہ منورہ پہنچ کر دوں گا۔

اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ اونٹ سے اتر کر کھڑے ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ اونٹ سے کیوں اتر گئے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ اونٹ تو آپ نے خرید لیا، اب یہ آپ کا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مدینہ منورہ تک پیدل جاؤ گے، ایسا کرو کہ تم اسی پر سواری کر کے مدینہ منورہ تک پہنچ جاؤ، وہاں جا کر تم سے یہ اونٹ لے لیں گے اور پیسے ادا کر دیں گے۔

جب مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے وہ اونٹ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ بھی ان کو واپس کر دیا اور ایک اوقیہ چاندی بھی ان کو دے دی۔ یہ درحقیقت ان کو نوازنے کا ایک بہانہ تھا۔

سادگی سے نکاح کا دوسرا واقعہ!

حدیث شریف میں ہے جس وقت وہ اونٹ تیز چل رہا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان

کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس وقت آپ نے اس سے پوچھا کہ بھائی تم نے شادی بھی کی یا نہیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے غزوہ میں آنے سے پہلے نکاح کر لیا ہے۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ تم نے کسی کنواری سے نکاح کیا ہے یا ثیبہ (بیوہ، طلاق یافتہ) عورت سے نکاح کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک ثیبہ عورت سے نکاح کیا ہے، جو پہلے ایک شخص کے نکاح میں تھیں، جب ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو میں نے ان سے نکاح کر لیا۔ آپ نے پھر سوال کیا کہ تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ دراصل میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں، اس لئے مجھے ایک ایسی عورت کی تلاش تھی جو ان کی بھی دیکھ بھال کر سکے، اس لئے اگر میں نو عمر لڑکی سے نکاح کرتا تو وہ ان کی صحیح دیکھ بھال نہ کر سکتی، اس لئے میں نے ثیبہ عورت سے نکاح کیا۔ چنانچہ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعادی۔ اور فرمایا کہ ((بارک اللہ لك وعلیک وجمع بینکما بخیر)) ”اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور الفت اور محبت کے ساتھ تم دونوں کو جمع کرے۔“ (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات)

اب آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے غزوہ میں جانے سے پہلے مدینہ منورہ میں نکاح کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہی تشریف فرما ہیں اور اس کے بعد غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، پھر جب اس غزوہ سے واپس ہوئے تو آپ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے اور انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلس نکاح میں بلائیں نہ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت کی کہ تم نے چپکے چپکے نکاح کر لیا، مجھے کیوں نہیں بلایا۔

دوسروں کو بلانے کا اہتمام!

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ میں نکاح کی سادگی کا یہ انداز نظر آتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نکاح کو آسان رکھا تھا، صحابہ کرامؓ نے اس کو اتنا ہی آسان اور سادہ رکھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اپنے بڑوں کو اور رشتہ داروں کو نکاح کے موقع پر بلانا حرام اور ناجائز ہے، جب حضرت فاطمہ رضی

اللہ عنہا کا نکاح ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ ابو بکر و عمر کو بلا لاؤ، نکاح ہونے والا ہے، اس طرح خاص خاص لوگوں کو آپ نے بلالیا، لہذا بلانا جائز ہے لیکن نکاح کے اندر اہتمام کہ جب تک فلاں شخص نہیں آجائے گا اور جب تک فلاں شرائط پوری نہیں ہوں گی اور جب تک فلاں فلاں نہیں ہوں گے، اس وقت تک نکاح منعقد نہیں ہوگا، شریعت میں ایسے اہتمام کی گنجائش نہیں۔

آج ہم نے حلال کو مشکل بنا دیا!

آج ہم نے نکاح کو مشکل بنا دیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب حلال کے دروازے بند کر دیئے تو حرام کے دروازے کھل رہے ہیں، آج اگر حلال کا راستہ کوئی شخص اختیار کرنا چاہے تو اس کے راستے میں باپندیاں اور رکاوٹیں ہیں اور جب تک لاکھوں روپیہ نہ ہو وہ حلال راستہ اختیار نہیں کر سکتا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ حرام کی طرف جارہے ہیں اور اس کے دروازے چوڑے کھلے ہیں۔ اس کے ذریعہ معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔ (اصلاحی خطبات، جلد ۱۱، صفحہ ۶۱ تا ۶۸)

نکاح کے مسائل نکاح کی شرعی حیثیت!

(۱): تقریباً تمام ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ میں مبتلا ہونے کا غالب گمان ہو اور نکاح پر قدرت بھی ہو، ایسی صورت میں نکاح کرنا فرض یا واجب ہے، ایسی صورت میں جب تک نکاح نہ کرے گا گناہ گار ہوگا۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۲۸) ۱

(۲): اگر نکاح کرنے کے وسائل موجود نہیں یا مناسب رشتہ میسر نہیں ہو رہا ہے یا کسی دوسری ضرورت کی بناء پر نکاح میں دیر ضروری ہے۔ ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ صبر کرے اور نفس کو قابو میں رکھے اور گناہ سے بچنے اور شہوت کے زور کو ختم کرنے لئے کثرت سے روزے رکھنا مفید ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اس کا بیان پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

(۳): اگر شہوت کا غلبہ نہ ہو، بلکہ جذبات اعتدال پر ہوں اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ

۱۔ لا خلاف ان النکاح فرض حالة التوقان حتى ان من تاقت نفسه الى النساء بحيث لا يمكنه الصبر عنهن وهو قادر على المهر والنفقة ولم يتزوج يأثم. (بدائع الصنائع: ۲/۲۲۸)

میں مبتلا نہ ہونے کا غالب گمان ہو۔ ایسی صورت میں نکاح کر لینا سنت یا مستحب ہے بشرطیکہ نکاح پر قدرت ہو اور نکاح کے وسائل بھی موجود ہوں۔ (تنویر والدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۲۶۱)۱

(۴): اگر شہوت اس قدر کمزور ہو کہ غالب گمان یہی ہو کہ حقوق زوجیت ادا نہ ہو پائیں گے۔ ایسی صورت میں نکاح کی قید میں اپنے آپ کو مقید کرنا شرعاً مکروہ ہے بلکہ حقوق زوجیت کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ حقوق زوجیت پورے کرنے سے بالکل عاجز ہے، ایسے آدمی کے لئے نکاح کرنا حرام ہے کیوں کہ یہ جان بوجھ کر عورت پر ظلم کرنا ہی ہے۔ (تنویر والدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۲۶۱)

محرمات یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے!

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ ان کی دو قسم ہیں:

ایک قسم تو وہ ہے جو کسی حال میں حلال نہیں۔ ان کو محرمات ابدیہ کہتے ہیں یعنی وہ عورتیں جو ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور ان سے کبھی بھی نکاح درست نہیں۔

دوسری قسم وہ ہے، جو ہمیشہ کے لئے حرام نہیں بلکہ ان کے ساتھ بعض حالتوں میں نکاح حلال بھی ہو جاتا ہے اس کو محرمات موقتہ کہتے ہیں۔

محرمات ابدیہ!

ان کے تین اسباب ہیں:

- (۱) حرمت نسب، یعنی نسبی رشتہ کی وجہ سے حرمت۔
- (۲) حرمت رضاعت، یعنی دودھ کے رشتہ کے سبب حرمت۔
- (۳) حرمت مصاہرت، یعنی سرالی رشتہ کی حرمت۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۵۶)۲

۱۔ یکون سنة مؤکدة فی الاصح فیائم بترکہ ویتاب ان نوى تحصینا وولدا (حالة الاعتدال) ای القدرة علی وطئ ومهر ونفقة.... (ومکروها الخوف الجور) فان یقنه حرم ذلك. (تنویر والدر المختار: ۲/۲۶۱)

۲۔ ومنہا أن تكون المرأة محللة وهی أن تكون محرمة التأبید فان كانت محرمة علی التأبید فلا یجوز نکاحها.... والمحرمت علی التأبید ثلاثة انواع محرمت بالقرباة ومحرمت بالمصاهرة ومحرمت بالرضاع. (بدائع الصنائع: ۲/۲۵۶)

حرمت نسب!

اس کی چار اقسام ہیں:

(۱): اصول: یعنی مائیں، دادیاں، نانیاں اور اوپر تک۔

(۲): فروع: یعنی بیٹیاں، پوتیاں، نواسیاں اور اسی طرح نیچے تک کا سلسلہ۔

(۳): ماں باپ کے فروع: یعنی بہنیں، بھتیجیاں، بھانجیاں نیچے تک، پھر خواہ یہ بہن، بھائی وغیرہ ایک

ماں باپ سے ہوں یا باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں یا ماں ایک ہو اور باپ جدا جدا۔ سب کے سب کا آپس میں نکاح حرام ہے۔

(۴): ماں باپ کے اصول کے فروع: جیسا کہ پھوپھی، خالہ اور ماں باپ کی پھوپھی، خالہ خواہ یہ

ساری پھوپھیاں، خالائیں حقیقی ہوں یا سو تھیلی۔ سب کی سب حرام ہیں۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۷۳) ۱

حرمت مصاہرت!

سرالی رشتہ سے حرام ہونے کو حرمت مصاہرت کہا جاتا ہے اس کی بھی چار قسمیں ہیں:

(۱): بیوی (خواہ اس کی ساتھ صحبت اور خلوت صحیحہ کا موقع ملا ہو یا نہ ملا ہو) کے اصول یعنی بیوی

کی ماں، دادی، نانی اوپر سلسلہ تک۔

(۲): بیوی کے فروع بشرط الدخول یعنی ایسی بیوی جس کے ساتھ صحبت کر چکا ہو۔ اس کی اولاد، بیٹی،

پوتی، نواسی نیچے آخر سلسلے تک۔ اس دوسری قسم کی حرمت کے لئے شرط یہ ہے کہ دخول بھی کر چکا ہو۔ صرف

نکاح کرنا حرمت کے لئے کافی نہیں۔ لہذا اگر صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی۔ تو اس

عورت کی دوسرے خاوند سے جو بیٹی ہے وہ اس پر حرام نہیں۔ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

۱ (القسم الاول المحرمات بالنسب) وهن الامهات والبنات والاخوات والعمات والخالات وبنات

الاخ وبنات الاخت فهن محرمات نکاحاً ووطاً ودواعیه علی التأیید فالامهات أم الرجل وجداته من قبل

أبيه وامه وان علون وأما البنات فبنته الصلیبة وبنات ابنه وبنته وان سفلن وأما الاخوات فلاخت لاب وام

والاخت لاب والاخت لام وكذا بنات الاخ والاخت ان سفلن واما العمات فتلاث عمة لاب وام وعمه

لام وكذا عمات أبيه وعمات اجداده وعمات أمه وعمات جداته وان علون. (عالمگیری: ۱/۲۷۳)

(۳) اپنی فروع کی بیویاں: یعنی بیٹوں، نواسوں اور پوتوں کی بیویاں۔
 (۴) اپنی اصول کی بیویاں یعنی باپ، دادا اور نانا کی بیویاں۔ اگرچہ ان کے ساتھ ان کے والدین
 دادا کو صحبت اور خلوت صحیحہ کا موقع نہ ملا ہو۔ پھر بھی صرف والد اور دادا کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔
 یہ جتنی صورتیں گزر چکی ہیں ان سب کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے۔ (عالمگیری،
 جلد ۱، صفحہ ۲۷۲)

حرمت رضاعت!

حرمت رضاعت یعنی دودھ کا رشتہ کسی عورت کا دودھ پینے لینے سے، دودھ پینے والے اور دودھ
 پلانے والی کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تعلق اور رشتہ کو شریعت نے نسبی تعلق اور
 رشتے جیسا قرار دیا ہے۔

مثلاً جس عورت نے دودھ پلایا یہ عورت دودھ پینے والے بچے کی رضاعی ماں اور عورت کا شوہر
 جس کے سبب سے یہ دودھ پیدا ہوا وہ اس کا رضاعی باپ اور ان ماں باپ کی تمام اولاد خواہ وہ اس بچے سے
 بڑے ہوں یا چھوٹے۔ سب کے سب اس بچے کے رضاعی بہن بھائی ہو گئے۔ اسی طرح وہ لڑکے لڑکیاں
 جنہوں نے اس عورت کا دودھ پیا ہے۔ سب کے سب اس بچے کے رضاعی بہن بھائی ہیں۔ (عالمگیری،
 جلد ۱، صفحہ ۳۴۳)

۱۔ (القسم الثانی المحرمات بالصهرية) وهی أربع فرق (الاولی) أمهات الزوجات وجداتهن من قبل
 الاب والام ان علون والثانية بنات الزوجة وبنات اولادها وان سفلن بشرط الدخول بالام (الثالثة) حلیلة
 الابن وابن الابن البنت وان سفلوا دخل بها الابن أم لا (والرابعة) نساء الالباء والاجداد من جهة الاب أو
 الام وان علوا فهؤلاء محرمات علی التأبید نکاحاً ووطاً. (کذا فی الحاوی القدسی عالمگیری: ۱/۲۷۴)
 ۲۔ یحرم علی الرضیع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعها من النسب والرضاع جميعاً حتی ان
 المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غیره قبل هذا الارضاع أو بعده أو أرضعت رضیعاً أو ولداً لهذا
 الرجل من غیر هذه المرأة قبل هذا الارضاع أو بعده أو أرضعت امرأة من لبنه رضیعاً فالکل اخوة
 الرضیع وأخواته وأولادهم أولاد أخوته وأخواته وأخو الرجل عمه واخته عمته وأخو المرضعة خاله
 وأختها خالته وكذا فی الجد والجدة وتثبت حرمة المصاهرة فی الرضاع حتی ان امرأة الرجل حرام علی
 الرضیع وامرأة الرضیع حرام علی الرجل وعلی هذا القیاس. (عالمگیری: ۱/۳۴۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جتنے رشتے نسب کے سبب حرام ہیں۔ وہ رشتے رضاعت یعنی دودھ پینے کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ (حدیث)

یاد رہے! فقہاء کرام نے بعض صورتوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

یہ انہوں نے ہماری آسانی کے لئے کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جن جن صورتوں کو انہوں نے اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔ ان میں دودھ کا رشتہ قائم ہی نہیں ہوا کیوں کہ رضاعی بچے کا رشتہ تو اس کی رضاعی ماں اور اس کے رضاعی باپ اور ان کے اصول و فروع سے تو قائم ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کا دودھ پیا ہے لیکن اس رضاعی بچے کی رضاعی ماں اور رضاعی باپ اور ان کے اصول و فروع کا اسی بچے کے رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ قائم ہی نہیں۔ مثلاً فقہانے لکھا ہے کہ اس بچے نے جس عورت کا دودھ پیا ہے۔ اس (دودھ پلانے والی) عورت کے ساتھ اس (دودھ پینے والے) بچے کا نسب باپ اور اس (دودھ پینے والے) کے دوسرے بھائیوں کا نکاح جائز ہے۔ اسی طرح اس (دودھ پینے والے) بچے کے دوسرے حقیقی بھائیوں کے ساتھ اس (دودھ پینے والے) بچے کی رضاعی بہن بھی نکاح کر سکتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بچے کی رضاع ماں اور اس کی بیٹیوں کا اس کے نسب باپ اور بھائیوں کے ساتھ دودھ کا رشتہ قائم ہی نہیں ہوا۔ کیوں کہ اس بچے کے نسب باپ اور بھائیوں نے اس کے رضاعی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے۔ اور ان کے ساتھ اس دودھ پلانے والی کا براہ راست تعلق ہے۔ البتہ اس بچے نے چونکہ اس عورت کا دودھ پیا ہے۔ اس لئے اس عورت اور اس کے اس شوہر جس کی وجہ سے یہ دودھ اس میں اتر آیا ہے کے خاندان سے اس بچے کا رشتہ قائم ہوا ہے۔ اس لئے ان کی بیٹیاں ان کی رضاعی بہنیں بنیں۔ اور اس عورت کی بہن اس (دودھ پینے والے) بچے کی خالہ بن گئی اور اس (دودھ پلانے والی) عورت کے شوہر کا بھائی اس (دودھ پینے والے) بچے کا چچا بن گیا اور اس (دودھ پینے والے بچے) کے رضاعی باپ کے لئے اس (دودھ پینے والے بچے) کی بیوی سے نکاح اس لئے جائز نہیں کہ یہاں دو چیزیں جمع ہو گئی۔ ایک یہ کہ یہ اس کا رضاعی بیٹا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ عورت اس کے رضاعی بیٹے کی بیوی ہے اور سرالی رشتہ ان دو چیزوں سے مرکب ہوتا ہے۔ ایک نسب دوسرا زوج اور نکاح۔ اگر ان میں سے ایک نہ رہے تو

سرالی رشتہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً اپنے نسبى بیٹے کی بیوی اس لئے حرام ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور یہ عورت اس کے بیٹے کی بیوی ہے۔ ورنہ اگر وہ اس کی بیوی نہ ہوتی۔ تو یہ عورت اس کے باپ کے لئے جائز ہوتی۔ لہذا یہاں بھی رضاعی بیٹے کی بیوی سے اس لئے نکاح جائز نہیں کہ جو حکم نسبى بیٹے کا ہے وہی حکم رضاعی بیٹے کا بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ دودھ پینے والی اور دودھ پلانے والی جو عورتیں حرام ہو جاتی ہیں وہ اس صورت میں حرام ہو جاتی ہیں جبکہ ان کے ساتھ دودھ کا رشتہ قائم ہو جائے۔ اور فقہاء نے جن صورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یہ وہی صورتیں ہیں کہ ان میں باہم دودھ کا رشتہ پیدا نہیں ہوا لیکن یہ معلوم کرنا کہ کہاں یہ رشتہ قائم ہوا ہے کہاں نہیں ہوا۔ یہ ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فقہاء کرام پر رحم فرمائے کہ انہوں نے ہماری آسانی کے لئے ان مستثنیات کی تفصیل بیان فرمائی اور ان کی پوری تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

رضاعت کی مدت اور اس کا حکم !

(۱): بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے۔ جب بچے کی پیدائش کے دو سال پورے ہو جائیں تو اس کو دودھ پلانا ناجائز ہے۔ البتہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دودھ پلانے کی انتہائی مدت ڈھائی سال ہے اس لئے رضاعت کے ثبوت کے لئے احتیاطاً ڈھائی سال کو لے لیتے ہیں۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۴۰۳)

(۲): رضاعت کے احکام صرف انسان کے دودھ سے ثابت ہوتے ہیں۔ بکری، گائے وغیرہ کے دودھ سے رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوتے۔ (قاضی خان، جلد ۱، صفحہ ۴۱۸)

(۳): جب کسی بچے کے حلق میں ڈھائی برس کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ ایک بار بھی چلا جائے وہ عورت اس کی ماں بن گئی اور اس کا شوہر جس سے یہ دودھ اترتا ہے۔ اس بچے کا باپ بن گیا اور امام

۱۔ (باب الرضاع) (هو) مص من ثدي آدمية (في وقت مخصوص) هو (حولان ونصف عنده و حولان فقط) (عندهما وهو الاصح) فتح. وبهيفتي كما في تصحيح القدوري عن العون تنوير البصار مع الدر المختار ۳۰۴/۲

۲۔ اذا ارتضع الصبيان من لبن بهيمة لا تثبت به حرمة الرضاع بينهما. (قاضی خان ۴۱۸/۱)

ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ دوسرے ائمہ کے نزدیک دو برس سے زیادہ مدت رضاعت نہیں ہوتی اس مسئلہ میں احتیاط حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول میں ہے۔ البتہ جہاں تک بچے کے دودھ چھڑانے کا مسئلہ ہے۔ اس میں احتیاط صاحبین کے قول میں ہے کہ دو سال کے بعد بچے کو دودھ نہ پلایا جائے۔ اور فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ واللہ اعلم

(۴): اگر بچے نے عورت کے چھاتی سے منہ لگا کر دودھ نہیں پیا بلکہ کسی عورت نے اپنا دودھ نکال کر اس کے منہ میں ڈال دیا یا منہ کے بجائے اس کی ناک میں ڈال دیا پھر بھی رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔ خواہ چند قطرے ہی کیوں نہ ڈالے گئے ہوں۔ پھر وہ عورت جس کا یہ دودھ تھا وہ اس بچے کی رضاعی ماں بن جائے گی۔ (الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۴۰۳) ۱

(۵): اگر کسی عورت کا دودھ پینے کے قابل چیز جیسے مائع اور بہہ جانے والی پتلی چیز مثلاً پانی میں یا پینے والی دوا میں یا بکری اور گائے وغیرہ کے دودھ میں ملا کر بچے کو پلایا گیا۔ ایسی صورت میں دیکھا جائے گا۔ اگر عورت کا دودھ اس چیز کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور اس کے مقابلے میں دوا، پانی، جانور کا دودھ کم ہو تو حرمت ثابت ہوگی اگر دوا وغیرہ کے مقابلے میں عورت کا دودھ کم ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۳۴۴) ۲

(۶): اگر عورت کا دودھ کھانے والی چیزوں مثلاً آٹے میں ملایا گیا۔ اسی طرح تمام وہ چیزیں جو پینے کے بجائے کھائی جاتی ہے۔ مثلاً پیاز، کھویا وغیرہ میں اگر عورت کا دودھ ملایا جائے۔ اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اگرچہ عورت کے دودھ کی مقدار غالب ہو۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۳۴۴) ۳

۱۔ (باب الرضاع) (هو) مص من ثدی آدمیة ولو بکرا أو میتة أو آيسة وألحق بالمص الوجودو السعوط (الدر المختار: ۴۰۳/۲)

۲۔ ولو خلط لبن المرأة بالماء أو بالدواء بلبن البهيمه فالعبرة للغالب كذا فی الظهيرية (عالمگیری: ۳۴۴/۱)

۳۔ وإذا اختلط اللبن بالطعام فان كانت النار قد مست اللبن وأنضجت الطعام حتى تغير فلا يحرم سواء كان اللبن غالبا أو مغلوبا وان كانت النار لم تمسه فان كان الطعام غالبا لم تثبت الحرمة به ایضا وان كان اللبن غالبا فكذاك عن ابی حنیفہ... (عالمگیری: ۳۴۴/۱)

(۷): شک سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محض پستان کو منہ میں لے لینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ جب تک دودھ حلق میں اترنے کا غالب گمان نہ ہو جائے۔ لہذا اگر بچے نے کسی عورت کا پستان منہ میں لے لیا۔ مگر چوسا نہیں یا چوس تو لیا مگر عورت ایسی ہے کہ اس میں دودھ بالکل نہیں اور بچے کے منہ میں بھی دودھ کا کوئی اثر نہیں تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ البتہ ایسا کرنا نامناسب ہے کیوں کہ اس معاملہ میں بہت احتیاط کرنا چاہیے۔ (شامی: جلد ۲، صفحہ ۴۰۵) ۱

(۸): صاحبین کے نزدیک دو سال کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈھائی سال کے بعد۔

ڈھائی سال کے بعد حرمت تو ثابت نہیں ہوتی مگر صاحبین کے قول کے مطابق دو سال کے بعد اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ڈھائی سال کے بعد اپنے بچے کو بھی دودھ پلانا جائز ہے۔

(۹): یاد رہے! دو یا ڈھائی سال کے بعد اگرچہ رضاعت تو ثابت نہ ہوگی مگر قصد کسی عورت کا دودھ پینا بالاتفاق حرام ہے۔ واللہ اعلم ۲

وہ محرمات جن کی حرمت ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ کسی وقت تک ہے!

اس قسم کی محرمات کے چار اسباب ہیں:

(۱) جمع (۲): تین طلاق (۳) تعلق حق غیر (۴): کفر

۱۔ وفي القنية امرأة كانت تعطى ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين القمتها ثديي ولم يعلم ذلك الا من جبهتها جاز لابنها ان يتزوج بهذه السبية وفي الفتح لو ادخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك ثم قال والواجب على النساء ان لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة. (شامی: ۴۰۵/۲)

۲۔ (واما الجمع بين ذوات الارحام) فانه لا يجمع بين اختين بنكاح والا بوطيئملك يمين سواء كانتا اختين من النسب او من الرضاع هكذا في السراج الوهاج والاصل ان كل امرأتين لو صورنا احدهما من أي جانب ذكر الم يجوز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجوز الجمع بينهما هكذا في المحيط فلا يجوز الجمع بين امرأة وعمتها نسبا أو رضاعا وخالتها كذلك ونحوها ويجوز بين امرأة وبنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذكرا حلت له تلك البنت بخلاف العكس. (عالمگیری: ۲۷۷/۱)

جمع کی تفصیل!

جمع کے تحت دو قسم کے محرمات ہیں:

ایک یہ کہ چار سے زیادہ اجنبی عورتوں کو جمع کرنا یعنی کوئی مرد چار بیبیوں سے زیادہ نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ایک کے مرجانے یا طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد اس کی جگہ دوسری سے شادی کر سکتا ہے۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۷۷)

دوسرا یہ کہ محارم کو جمع کرنا!

جس کی تفصیل یہ ہے:

(۱): جن دو عورتوں میں ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے جس کسی کو بھی مرد فرض کر لیا جائے تو اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ حرام ہو۔ ایسی دو عورتوں کا ایک آدمی کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لہذا بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ اس وقت تک نکاح حرام ہے جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۷۷)

اگر دو عورتوں میں ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کرنے سے حرمت آتی ہے مگر دوسرے کی طرف سے نہیں آتی۔ تو ایسے محارم کو جمع کرنے میں مضائقہ نہیں جیسے کسی عورت کے ساتھ ایسی لڑکی آئی ہو۔ جو اس کی سوتیلی بیٹی یعنی دوسرے شوہر کے دوسری بیوی سے ہو۔ ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز ہے کیوں کہ اگر اس کی سوتیلی بیٹی کو مرد فرض کیا جائے۔ تو پھر یہ عورت باپ کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے اس فرض شدہ مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کی سوتیلی ماں کو مرد فرض کیا جائے۔ تو یہ لڑکی اس مفروضہ مرد کے لئے اجنبی ہو کر جائز ہوگی۔ لہذا ایسی عورت اور اس کی سوتیلی لڑکی کو جمع کرنا بھی جائز ہے۔ (ہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۲۷۷) ۲

۱- (أما الجمع بين الاجنبيات) فانه يحل للرجل أن يجمع بين أكثر من أربع نسوة كذا في محيط السرخسي. (عالمگیری: ۱/۲۷۷) ۲- ويجوز الجمع بين امرأة و بنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذكرا حلت له تلك النبت بخلاف العكس. (عالمگیری: ۱/۲۷۷)

(۲): اگر اس طرح کی دورشتہ دار عورتوں کا نکاح ایک مرد سے کر دیا گیا۔ تو جو نکاح پہلے ہوا ہے وہ صحیح ہے اور بعد میں ہونے والا صحیح نہیں اور اگر ایک وقت میں یک دم دونوں کا نکاح کسی ایک مرد سے کیا گیا تو دونوں کا نکاح صحیح نہیں۔ (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۷۷۷)۔

(۳): اگر بیوی مرگئی یا اس کو طلاق دے دی تو عدت گزر جانے کے بعد اس کی دوسری بہن، خالہ وغیرہ سے نکاح جائز ہے۔

تین طلاق کے بعد!

جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے اس عورت سے اسی شخص کا دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر یہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور وہ اس سے جماع بھی کرے۔ اس کے بعد وہ دوسرا شوہر بھی اس کو طلاق دے دے۔ اس دوسرے شخص سے عدت گزر جانے کے بعد اب پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ (ہندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۸۲)۔

تعلق حق غیر!

جس عورت سے کسی دوسرے مرد کا حق زوجیت متعلق ہو جیسے کسی دوسرے کی منکوحہ یا کسی کی عدت میں ہو مثلاً وہ عورت جس کا خاوند مرچکا ہو یا اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہو لیکن ہنوز اس کی عدت باقی ہو ایسی عورت سے نکاح جائز نہیں۔ البتہ عدت گزر جانے کے بعد اس کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

تنبیہ!

جس عورت سے کسی مرد کا ناجائز تعلق ہو چکا ہو یا اس کو شہوت سے ہاتھ لگایا ہو اس سے اس شخص کے باپ یا بیٹے کا نکاح جائز نہیں اور ایسی عورت کی بیٹی بھی اس شخص پر حرام ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے امور میں

۱۔ فان تزوج الاختین فی عقدۃ واحدة یفرق بینہما ویبہ۔۔۔۔۔ وان تزوجہما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسدۃ ویجب علیہ أن یتزوجہا۔ (عالمگیری: ۱/۲۷۷)

۲۔ لا یحل للرجل ان یتزوج حرۃ طلقها ثلاثا قبل اصابۃ الزوج الثانی۔ (عالمگیری: ۱/۲۸۲)

۳۔ لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجۃ غیرہ وكذلك المعتدۃ کذا فی السراج الوہاج سواء کانت العدۃ عن طلاق کذا فی البدائع۔ (عالمگیری: ۱/۲۸۰)

بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ورنہ ذرہ سی بے احتیاطی سے یا تو اپنی منکوحہ سے ہاتھ دھو ڈالو گے یا اپنے باپ یا اپنے بیٹے پر ان کی بیویاں حرام کر دو گے۔ ایسے مسائل اور اسی طرح دوسرے محرمات کی تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

کفر!

جس عورت کا اہل کتاب ہونا یقینی ہو۔ اس کے سوا دوسرے کفار و مشرکین کی عورتوں کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں اور مسلمان عورت کا نکاح تو کسی بھی غیر مسلم کافر اور مشرک کے ساتھ جائز نہیں، خواہ کفر کسی بھی قسم کا ہو۔

کافر، غیر مسلم عورت کے ساتھ نکاح!

(۱): اہل کتاب کے سوا دوسرے کفار و مشرکین کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور اہل کتاب میں سے بھی صرف انہی کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے جن کا اہل کتاب ہونا یقینی ہو اور واقعی کسی ایسی کتاب پر ایمان لانے والی اور اس کے اصول کو ماننے والی ہوں جس کا آسمانی کتاب ہونا قرآن مجید سے ثابت ہو۔ مثلاً تورات، انجیل وغیرہ کو ماننے والی ہوں۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۷۰) ۱

(۲): مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی غیر مسلم کے ساتھ جائز نہیں۔ خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا وہ کسی بھی قسم کا کافر و غیر مسلم ہو۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۷۲) ۲

کن اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾

۱۔ ومنہا ان لا تكون المرأة مشرکة اذا كان الرجل مسلماً فلا يجوز للمسلم ان ینکح المشرکة لقوله تعالى ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی يؤمن﴾ و یجوز ان ینکح الکتابیة لقوله تعالى ﴿والمحسانات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم﴾. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۰) ۲۔ ومنہا اسلام الرجل اذا کانت المرأة مسلمة فلا یجوز النکاح المؤمنة الکافر لقوله تعالى ﴿ولا تنکحوا المشرکین حتی يؤمنوا﴾ فلا یجوز النکاح المسلمة الکتابیة کما لا یجوز النکاح الوثنی والمجوسی. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۷۱-۲۷۲)

”اور ان میں سے پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، (ان کے ساتھ نکاح

کرنا حلال ہے)“ (مائدہ: ۵)

بہت سے فقہاء اور علمائے کرام کے نزدیک دار الحرب یعنی دار الکفر اور غیر اسلامی ممالک کی کتابی عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام نے دار الحرب اور دار الکفر کے اعتبار سے بہت سے مسائل میں فرق کیا ہے اور یہ مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے کہ دار الحرب کی کتابی عورت کے ساتھ نکاح میں بہت مفسد اور خطرات کا قوی احتمال ہے اور اسی آیت کی ابتداء ﴿الیوم احل لکم﴾ ”آج تمہارے لئے حلال کر دی گئیں ہیں۔“ کے لفظ نے اپنے اندر اس حقیقت کو سموایا ہے اور اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کے ذبیحہ اور کتابی عورتوں سے نکاح کی جو ازجاءت دے دی گئی ہے۔ اسی میں وقت کے حالات کو بہت بڑا دخل ہے کیوں کہ اس وقت کفار کا غلبہ اور دبدبہ ختم ہو گیا تھا اور مسلمان ایک ناقابل شکست طاقت بن چکے تھے اور دنیا میں ان کے مکارم اخلاق شائستہ تہذیب اور حسن معاشرت اور حسن کردار کا چرچا تھا کہ اگر مسلمانوں کو کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی گئی تو وہ کسی احساس کمتری میں مبتلا ہو کر معاشرت و تہذیب اور اعمال و اخلاق میں ان سے متاثر ہوں گے بلکہ اس کے برعکس اس وقت کے حالات کے اعتبار سے غالب گمان یہی تھا۔ کہ اگر مسلمان ان سے نکاح کریں گے تو یہ کتابی عورتیں ان سے متاثر ہوں گی۔ ان کی عقائد درست ہو جائیں گے اور اس طرح وہ ایمان و اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائیں گی۔ اس لئے مسلمان مردوں کو تو کتابی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی گئی لیکن مسلمان عورت کو کسی صورت میں بھی غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی اگرچہ اس کی وجوہات کئی ہیں مگر ان میں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں عادیہ کمزور، جذباتی اور زیادہ متاثر ہوتی ہیں اور پھسلنے والی جگہ پر بہت جلد پھسلنے والی ہیں۔

پھر یہ بھی یاد رہے! اس وقت جبکہ مسلمانوں کو اخلاقی و روحانی اور ظاہری طور پر بھی دبدبہ اور غلبہ حاصل تھا اس وقت بھی کتابی عورت سے نکاح کی صرف اجازت تھی ورنہ ان کے ساتھ نکاح فی نفسہ کوئی مستحسن اور نیک کام نہیں تھا۔ حالانکہ اس وقت آس پاس کا ماحول معاشرہ اور تہذیب خالص اسلامی تھا اور اس پاکیزہ

معاشرت اور اخلاق کو غلبہ حاصل تھا۔

ظاہر ہے کہ غیر مسلم ممالک جس میں ہر طرف کفر کا دور دورہ ہوتا ہے اور اس ماحول کی عورتوں کے رگ و پے میں اس بری تہذیب اور معاشرت کے داغ دھبے منقش ہوں۔ وہاں کتابی عورتوں سے مسلمان کا نکاح کیونکر مکروہ نہ ہوگا۔

آج کل کے دور میں اس کی کراہت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے کیوں کہ عصر حاضر میں کفار صرف غیر اسلامی ممالک میں ہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے حکمرانوں پر اس کفریہ بے خدا اور بے حیا مغربی تہذیب کا اس قدر غلبہ ہے کہ مسلمانوں کے حکمران پاکیزہ تہذیب اور معاشرت اور اسلامی اخلاق کے اپنانے میں شرم محسوس کرتے ہیں اور وہ کفار سے اس قدر مغلوب ہیں کہ وہ ان کی ہر قسم کی بد اخلاقی بے حیائی اور کفر کو عین اسلام اور جدید اسلام قرار دیتے ہیں۔

ظاہر ہے! ایسے حالات میں غیر اسلامی ممالک میں نہیں بلکہ خود اسلامی ملک کی کسی نیک چلن کتابی عورت سے نکاح کرنا اگر یقینی طور پر حرام نہیں مگر وہ اسی آیت کے انداز بیان کی رو سے اسی آیت کے موقع و محل کے خلاف اور مکروہ ضرور ہے۔ یہاں تک تو ایسی کتابی عورتوں سے نکاح کے متعلق بحث تھی۔ جو واقعی کتابی ہوں اور نیک چلن بھی ہوں۔ رہے آج کل کے حالات میں ایسے کتابی عورتوں کا ملنا ناممکن تو نہیں مگر نایاب تو ضرور ہے کیوں کہ آج کل کے اکثر عیسائی، یہودی اہل کتاب نہیں رہے بلکہ وہ دہری سماوی کتابوں اور دین سے سخت بے زار ہیں۔

نیز ان کی عورتیں مسلمانوں کے ساتھ نکاح کر کے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرتی ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نکاح کر کے انہوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا نیز ایسے ماحول میں ان سے نکاح کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کی اولاد پر انتہائی مہلک اور برے اثرات پڑتے ہیں کیونکہ بچے کے لئے تو ابتدائی مدرسہ ابتدائی مکتب اور اسکول تو اس کی ماں کی گود ہی ہے، لہذا ایسے حالات میں کتابی عورتوں سے نکاح کرنا آدمی کو خود اپنے اور اپنی اولاد اور اپنے خاندان کے دین و ایمان کو داؤ پر لگانے کے مترادف ہے۔ اس لئے کتابی عورتوں

سے بہر حال سخت پرہیز ضروری ہے۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

خلاصہ مضمون اس جملے کا یہ ہوا کہ مسلمان کے لئے حلال یہ ہے کہ کسی مامان عورت سے نکاح کرے یا اہل کتاب کی عورت سے البتہ دونوں صورتوں میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ عقیقہ و پاک دامن عورت سے نکاح کرے۔ بدکار، ناقابل اعتبار عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین و دنیا دونوں کی تباہی ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ اس آیت میں اہل کتاب کی قید سے باجماع امت یہ ثابت ہو گیا کہ جو غیر مسلم اہل کتاب میں داخل نہیں، ان کی عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔

سابقہ بیان میں یہ واضح ہو چکا کہ اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں۔ ان میں صرف یہود و نصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں۔ باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں۔ آتش پرست، ہندو یا سکھ آریہ، بدھ مت وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں کیوں کہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعوے دار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الہی ہونا قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات و انجیل ہی ہیں جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ و موجود ہیں نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعوے دار ہے اور ”دید“ اور ”گرنٹھ“ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے اور صرف یہ امکان ہے کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا ”دید“ یا گرنٹھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ امکان محض و احتمال ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے باجماع امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی يؤمن﴾

اسی مضمون کے لئے آئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور اہل کتاب کے سوا دوسری قومیں سب مشرکات میں داخل ہیں۔
غرض قرآن مجید کی دو آیتیں اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح حلال نہیں جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ دوسری سورہ مائدہ کی آیت جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

اس لئے جمہور علماء صحابہؓ و تابعین نے دونوں آیتوں کا مدلول و مفہوم یہ قرار دیا کہ اصولی طور پر غیر مسلم عورت سے مسلمان کا نکاح نہ ہونا چاہیے لیکن سورہ مائدہ کی اس آیت نے کہ اہل کتاب کی عورتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ کی عورتوں کے سوا کسی دوسری قوم کی عورت سے بغیر اسلام لائے ہوئے مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا اب رہا مسئلہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتوں کا تو بعض صحابہ کرامؓ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا یہی مذہب ہے۔ ان سے جب کوئی پوچھتا تو وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن کریم میں واضح ہے: ﴿ولا تنکحوا المشرکات حتی يؤمن﴾ یعنی ”مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں“ اور میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑا کون سا شرک ہوگا کہ وہ عیسیٰ بن مریم یا کسی دوسرے بندہ خدا کو اپنا رب اور خدا قرار دے۔ (احکام القرآن، بھصاص)
ایک مرتبہ میمون بن مہران نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم ایک ایسے ملک میں آباد ہیں جہاں اہل کتاب زیادہ رہتے ہیں تو کیا ہم ان کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو جواب میں یہ دونوں آیتیں پڑھ کر سنا دیں، ایک وہ جس میں مشرکات کے نکاح کو حرام فرمایا ہے۔ دوسرے یہ آیت مائدہ جس میں اہل کتاب کی عورتوں کی حلت بیان کی ہے۔

میمون بن مہران نے کہا یہ دونوں آیتیں تو میں بھی قرآن میں پڑھتا ہوں اور جانتا ہوں۔ میرا سوال تو

یہ ہے کہ ان دونوں کے پیش نظر میرے لئے حکم شرعی کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ کر سنا دیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا جس کا مطلب علماء امت نے یہ قرار دیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہونے پر بھی اطمینان نہیں تھا۔

جمہور صحابہؓ و تابعین کے نزدیک اگرچہ از روئے قرآن اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفسد اور خرابیاں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بلکہ پوری امت اسلامیہ کے لئے از روئے تجربہ لازمی طور سے پیدا ہوں گی۔ ان کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

بصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دے دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے، تو پھر امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاک دامنی نہیں ہے۔ اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانہ میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابو حنیفہؒ اس طرح نقل کیا ہے کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظمؓ نے جب حضرت حذیفہؓ کو خط لکھا تو ان کے یہ الفاظ تھے:

”اعزم عليك ان لا تضع كتابي حتى تخلی سبيلها فانی اخاف ان يقتديك المسلمون فيختاروا نساء اهل الذمة لجمالهن وكفى بذلك فتنة لנساء المسلمين“

”یعنی آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کر دو کیوں کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا کریں گے اور اہل ذمہ اہل کتاب کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگے تو مسلمان عورتوں کے لئے اس

سے بڑی مصیبت کیا ہوگی۔“ (کتاب الاثار، صفحہ ۱۵۶)

اس واقعہ کو نقل کر کے حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فقہائے حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں اور علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ کے علاوہ طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے سورہ مائدہ کی آیت کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیا تو جب فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دے دیں۔ (مظہری)

فاروق اعظمؓ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے۔ جب اس کا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی، نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے۔ اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے، گندے ہو جائیں یا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروقی نظر دور میں اتنے ہی مفسد کو کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے۔ اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اس کے متعلق کیا عمل ہوتا۔ اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں۔ نہ ان کا توراۃ و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریئے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمان کے لئے کسی طرح حلال نہیں اور بالفرض اگر وہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانہ میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لئے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، جن کے عبرت نامے روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال و حرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب

جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

الغرض قرآن و سنت اور اسوۂ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کھلی پرہیز کریں۔ (معارف القرآن: جلد ۳، صفحہ ۶۴)

نکاح کا مسنون اور مستحب طریقہ!

بہتر یہ ہے کہ بڑے مجمع میں شہرت کے ساتھ نکاح کیا جائے اور یہ بھی مستحب ہے کہ مجمع میں دلہن کو شریک نہ کریں بلکہ اگر اس کا کوئی ولی ہو تو وہ مجلس میں شریک ہو جائے اور اگر اس کا کوئی ولی نہ ہو اور وہ خود بالغہ ہو تو کوئی وکیل مقرر کر کے اس کو شریک کرے۔ اس کے بعد مسنون یہ ہے کہ خطبہ پڑھا جائے جس میں حمد و ثناء تو حید اور رسالت کی شہادت ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عہد و پیمان اور اس پر قائم رہنے کی ترغیب ہو اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ خطبہ پڑھا جائے:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور
انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له، ونشهد ان لا
اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ
تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ
وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً. وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ط يُصْلِحْ لَكُمْ
أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا

جب خطبہ تمام ہو جائے تو عورت کا ولی یا وکیل خود گواہوں کے رو برو دلہا یا اس کے ولی سے مخاطب ہو کر کہے کہ میں نے فلان عورت جس کا نام یہ ہے۔ تمہارے ساتھ یا تم جس کے ولی ہو فلا نے کے ساتھ اس قدر مہر کے عوض میں نکاح کر دیا۔ دلہا یا اس کا ولی اس کے جواب میں کہے کہ ”میں نے قبول کیا۔“ یا یہ کہے کہ ”میں نے منظور کر لیا۔“ بس نکاح ہو گیا۔ اگر ولی یا وکیل خود یہ خطبہ اور نکاح کے الفاظ نہیں کہہ سکتے۔ تو کوئی سمجھ دار شخص خطبہ پڑھ کر عورت کے ولی یا وکیل کو متوجہ ہو کر کہے کہ ”تم نے فلان کے بیٹی فلانی (اس کا

نام لے کر) اس قدر مہر کے عوض میں فلاں کو نکاح میں دے دی۔“ تو وہ ولی یا وکیل کہے گا کہ ”میں نے دے دی ہے۔“ پھر یہ سمجھدار شخص زوج یا اس کے ولی کے طرف متوجہ ہو کر کہے گا کہ ”تم فلاں کے لئے فلاں کی بیٹی فلاں کو اس قدر مہر کے عوض میں نکاح میں قبول کیا؟“ وہ کہے کہ ”میں نے قبول کیا،“ بس نکاح ہو گیا۔

اسی طرح اگر زوجین بالغ ہوں۔ وہ دونوں گواہوں کے سامنے عورت کہہ دے کہ ”میں نے تم سے یا تیرے ساتھ اس قدر مہر کے عوض اپنا نکاح کر دیا“ اور مرد کہے کہ ”میں نے قبول کیا“ تو بھی نکاح صحیح اور درست ہے۔ (البتہ اگر مہر مقرر ہی نہ کیا ہو تو مہر مثل لازم ہوگا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ اس کا بیان آگے آ رہا ہے۔)

نکاح کے انعقاد اور صحیح ہونے کے لئے ضروری چیزیں!

نکاح کے انعقاد اور اس کے صحیح ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) ایجاب و قبول، یہ نکاح کا رکن ہے۔

(۲) دوسری چیز شہادت یعنی گواہ، یہ نکاح اور ایجاب و قبول کے لئے شرط ہے۔ یعنی یہ نکاح اور

ایجاب و قبول گواہوں کی موجودگی میں ہو۔

ایجاب و قبول کیا ہے؟

جب دو شخص کوئی عقد اور معاملہ کرتے ہیں۔ اس میں جس کی طرف پہل ہو جائے اس بات کو ایجاب کہتے ہیں خواہ وہ لینے والا ہو یا دینے والا اور جو اس کی بات کو منظور کر لیتا ہے۔ اس کو ”قبول“ کہتے ہیں۔ مثلاً: اگر زوجین خود عقد نکاح کرنا چاہیں اور ان میں سے عورت پہل کر دے اور وہ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ ”میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا“ اور مرد نے جواب میں کہا کہ ”میں نے قبول کیا۔“ اس صورت میں عورت کی بات کو ”ایجاب“ اور مرد کی بات کو ”قبول“ کہیں گے اور اگر مرد نے پہل کی اور یہ کہا کہ ”میں نے تیرے ساتھ نکاح کر لیا۔“ اور عورت نے بطور رضامندی جو کلام کیا تو اس صورت میں مرد کے کلام کو ”ایجاب“ اور عورت کے کلام کو ”قبول“ کہا جائے گا۔

ایجاب و قبول کی صحت کے لئے ضروری چیزیں!

(۱) ایجاب و قبول کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کرنے والے عاقل بالغ ہوں۔ اگر دیوانہ یا

بالکل چھوٹا سمجھ بچہ اگر خود ایجاب یا قبول کرے تو یہ صحیح نہیں۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۳۲)

(۲) ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہو۔ اگر مجلس تبدیل ہوگئی تو ایجاب و قبول درست نہیں۔ یعنی ایجاب و قبول کے دوران ایسا کام نہ ہونے پائے جو ایجاب کو مسترد کرنے پر دلالت کرے۔ اگرچہ اس کا قصد مسترد کرنے کا نہ ہو۔ مثلاً: کوئی مرد دو گواہوں کے روبرو عورت سے کہے کہ ”میں نے تیرے ساتھ اتنے مہر کے عوض نکاح کر لیا“ اور عورت جواب دیئے بغیر اٹھ گئی یا نماز پڑھنے لگی یا کھانا کھانے میں مشغول ہوگئی یا کسی سہیلی سے بات کرنے لگی یا اس طرح کسی اور کام یا بات میں مشغول ہوگئی۔ تو اس طرح کی باتوں سے مجلس تبدیل ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے ایجاب (یعنی مرد نے جو کہا تھا کہ ”میں نے تیرے ساتھ اتنے مہر کے عوض نکاح کر لیا“) ختم ہو گیا۔ اب اگر اس کے بعد عورت یا اس کا وکیل یا اس کا سرپرست جواب میں کہے کہ ”میں نے قبول کیا۔“ تو ایجاب و قبول صحیح نہیں۔ ۲۔ اب پھر از سر نو ایجاب و قبول کی ضرورت ہوگی۔

(۳) ایجاب و قبول میں مطابقت ہو۔ مخالفت نہ ہو۔ مثلاً کسی عورت کا خود یا اس کا والد سرپرست وغیرہ مرد سے یہ کہے کہ میں نے اپنی بیٹی آپ کو دو تولہ سونے مہر کے عوض دے دی اور مرد نے جواب میں کہا کہ مجھے قبول ہے۔ مگر یہ مہر مجھے منظور نہیں ایسی صورت میں ایجاب و قبول باہم مخالف ہو کر صحیح نہیں ہوتا۔ ۳۔ (الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۲۶۷)

(۴) ایجاب و قبول صاف واضح الفاظ میں ہوں۔ اگر الفاظ صاف نہ ہو۔ مثلاً: یوں کہا جائے ”میں نے اپنی لڑکی آپ کو امانت دے دی“ یا ”رہن کر دی“ تو یہ الفاظ مبہم ہیں۔ اس سے ایجاب و قبول صحیح نہیں ہوگا۔ ۴۔ (تنویر، الدر المختار: جلد ۲، صفحہ ۲۲۹)

۲۰۱۔ (وَأَمَّا) الذی یرجع الی مکان العقد فهو اتحاد المجلس اذا كان العاقدان حاضرين وهو ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد حتی لو اختلف المجلس لا ینعقد النکاح بأن کانا حاضرين فأوجب أحدهما فقام الآخر عن المجلس أو اشتغل یوجب اختلاف المجلس لا ینعقد. (بدائع الصنائع: ۲/۲۳۲)

۳۔ وأن لا یخالف الایجاب والقبول اذا قال تزوجتک فقلت النکاح ولا قبل المهر لا یصح. (الدر المختار: ۲/۲۶۷)

۴۔ لا یصح بلفظ اجارة واعادة ووصية ورهن ووديعة ونحوها. (تنویر والدر المختار: ۲/۲۶۹)

(۵) ایجاب وقبول کرنے والے ایک دوسرے کے کلام کو سنیں اور سمجھیں اسی طرح گواہ بھی ان الفاظ کو سن کر سمجھ لیں کہ نکاح ہو رہا ہے۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۲۷۱ تا ۲۷۳)

البتہ اگر ایجاب وقبول کرنے والے گونگے ہوں اور گواہ بھی بہرے ہوں اور اشارہ سے ایجاب وقبول کریں تو بھی نکاح درست ہوا۔

(۶) ایجاب وقبول الفاظ سے یا اگر گونگے ہوں۔ تو اشارہ سے ادا کئے جائیں۔ اگر ایجاب یا قبول کسی عمل سے ادا کیا گیا تو یہ درست نہیں۔ مثلاً: مرد کہے کہ میں کہ ”میں نے اتنے مہر کے عوض آپ کے ساتھ نکاح کر لیا“ اور عورت بغیر الفاظ کے یوں ہی مہر کی رقم کو لے لے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو یہ ایجاب وقبول درست نہیں اسی طرح اگر عورت نے کہا کہ ”میں نے تیرے ساتھ اتنے مہر کے عوض نکاح کر لیا۔“ مرد نے زبان سے کچھ کہے بغیر یوں ہی اتنا مہر ادا کیا تو یہ ایجاب وقبول درست نہیں ہوا۔^۱

(۷) ایجاب وقبول کے لئے الفاظ ایسے ہوں جن سے نکاح ہو چکنا ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہے کہ ”میں نے اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دے دی۔“ اور مرد کہے کہ ”میں نے قبول کیا۔“ ٹال مٹول یا وعدے کے الفاظ نہ ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ دونوں طرف سے ماضی کے الفاظ ہوں۔ ورنہ ایک طرف سے ضرور بہ ضرور ماضی کے الفاظ ہوں اگر کسی ایک نے یوں کہا کہ ”میں تیرے ساتھ نکاح کروں گا“ اور دوسرے نے کہا کہ ”میں قبول کروں گا“ تو یہ ایجاب قبول صحیح نہیں۔

عقد نکاح میں گواہوں کی ضرورت!

عقد نکاح اور ایجاب وقبول کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ خفیہ اور پوشیدہ طور پر نہ ہو۔ بلکہ کم از کم دو بالغ مسلمان گواہوں کے سامنے کیا جائے۔ نکاح میں گواہی کی شرط ہونے کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر نکاح میں گواہی نہ ہوتی تو زنا اور نکاح میں کچھ فرق نہ ہوتا اور جن خرابیوں اور جن فسادات کے سد باب کے لئے شریعت نے زنا کی ممانعت فرمائی۔ وہ بدستور قائم رہتیں۔ یہاں اس بات کو مکرر ذرا تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔

۱۔ (وشرط سماع کل من العاقدین لفظ الاخر وحضور) شاہدین (حرین مکلفین سامعین قولہما معا)

علی الاصح. تنویر الابصار مع الدر المختار: ۲/۲۷۳-۲۷۱

۲۔ (فلا ینعقد) بقبول بالفعل کقبض مہر (ولا بتعاط). (الدر المختار مع تنویر الابصار: ۲/۲۶۵)

دین اسلام نے نکاح اور اپنی لونڈی کے بغیر ابتدا ہی سے مرد و عورت کے ان تمام جنسی تعلقات کو حرام کر دیا جو دور جاہلیت میں رائج تھے۔ ان میں سے ایک مرد و عورت کے درمیان پوشیدہ دوستانہ تعلقات کا جواز تھا۔ جیسا کہ یورپ اور مغربی تہذیب میں ایسے تعلقات جائز تسلیم کئے جاتے ہیں جیسا کہ متعہ کا شرم ناک معاملہ ہے۔ جو چوری چھپے بغیر گواہوں کے مرد و عورت آپس میں طے کر لیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

”اور جو تم میں سے اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ خاندانی مسلمان عورت کو نکاح میں لائے تو لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لے۔“ پھر اس کے بعد اس نکاح کے صحیح ہونے کی شرائط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَأَتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾

”اور ان کو دستور کے موافق مہر دے دو ایسے حال میں کہ وہ نکاح میں آنے والیاں ہوں (وقتی نکاح وغیرہ جیسا معاملہ کر کے) آزاد شہوت رانی کرنے والیاں نہ ہوں اور نہ چھپی یاری بنانے والیاں ہوں۔ (سورۃ النساء: ۲۵)

نیز ایک دوسری جگہ اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کے متعلق ارشاد ہے:

﴿إِذَا اتَّيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ﴾

”بشرطیکہ تم ان کو مہر دے دو ایسے حال میں کہ (ان کو) نکاح میں لانے والے ہونہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے والے اور نہ وہ خفیہ آشنائی کرنے والے ہوں۔ (سورۃ المائدہ، آیت ۵)

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ اسلام نے مرد و عورت کا باہمی جنسی تعلق اور اس کے معاملے کو طے کرنے کی صرف ایک ہی صورت کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس معاملہ کی بنیاد چوری چھپے یا کسی ایسے معاملہ پر نہ ہو جو لوگوں کو معلوم نہ ہو بلکہ اس کی بنیاد صحیح نکاح پر ہو وہ یہ کہ اس میں مہر ہو اور مستقل طور پر نکاح میں رکھنے کی نیت ہو۔ وقتی و عارضی نکاح نہ ہو۔ جو محض نفسانی خواہشات پوری کر کے چھوڑ دینے کی نیت اور شرط کے ساتھ ہو اور نہ یہ معاملہ پوشیدہ ہو کہ پوشیدہ طور پر آشنابنانا مقصود ہو بلکہ اعلانیہ ہو اور شریعت نے اس

کے لئے کم از کم دو مسلمان مرد گواہوں کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ شہادت کی وجہ سے حلال و حرام معاملے میں تمیز اور فرق ہونے کے ساتھ ساتھ مرد و عورت پر کوئی تہمت بھی نہ لگے اور نہ بعد میں ان کی اولاد کے لئے حلالی و حرامی ہونے کے مسائل اٹھ کھڑے ہوں۔ نیز اس کی وجہ سے زوجین کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے اور اس میں عقد نکاح کی اہمیت اور سنجیدگی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں اس کی اہمیت بیان کو بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اعلان کے لئے دف بجانے کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ اعلان اور گواہی صرف عقد نکاح کے بعد ضروری نہیں۔ بلکہ عین ایجاب و قبول اور عقد نکاح کے موقع پر ہی ضروری ہے تاکہ عقد نکاح میں لڑکے یا لڑکی کی طرف سے کوئی فریب اور دھوکا کا احتمال نہ رہے اور مہر کے معاملے میں اگر کوئی تنازعہ اٹھ کھڑا ہو تب بھی اس کا ازالہ گواہوں کے ذریعے ہو سکے۔ نیز یہ کہ عقد بھی خفیہ نہ رہے اور اس معاملہ کی حیثیت ایک نہایت سنجیدہ معاملہ کی ہو پائے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ عقد نکاح کو مساجد میں کیا کرو۔ ظاہر ہے کہ مساجد تمام مسلمانوں کی عبادت کی جگہیں ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں نکاح ہوگا تو اسی نکاح کے گواہ زیادہ ہوں گے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْبَغَايَا الَّتِي يَنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بَغَيْرِ بَيِّنَةٍ

”وہ عورتیں زانیہ ہیں جو اپنا نکاح بغیر گواہوں کے کر لیں۔“ (ترمذی، مشکوٰۃ)

(مسئلہ تفصیل کے ساتھ اعلیٰ السنن، کتاب النکاح، جلد ۱۱ میں موجود ہے۔)

عقد نکاح کی گواہی کے بارے میں تفصیل!

(۱) ایجاب و قبول کم از کم دو مرد مسلمانوں کے سامنے کیا جائے اگر دو مرد مسلمان گواہ کسی وجہ سے نہ مل

سکیں۔ تو کم سے کم ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے اگر ایجاب و قبول کے وقت کوئی مرد نہ ہو بلکہ صرف

عورتیں ہی عورتیں ہوں۔ تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا خواہ بیس عورتیں کیوں نہ ہوں۔ (بدائع، جلد ۲، صفحہ ۲۵۵)

۱۔ ومنها العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد لقوله ﷺ لا نكاح إلا بشهود وقوله لا نكاح إلا بشاهدين. (بدائع: ۲۵۵/۲)

(۲) گواہ نابالغ یا پاگل غیر مسلم اور غلام نہ ہو۔ اگر ایک گواہ بھی نابالغ یا پاگل ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا کیوں کہ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، مسلمان اور آزاد ہوں۔^۱ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۶۷)

(۳) دونوں گواہ ایجاب و قبول کے وقت موجود ہوں اور وہ ایجاب و قبول کے الفاظ سن رہے ہوں اور سمجھ رہے ہوں کہ نکاح ہو رہا ہے، اگر وہ یہ بھی نہ جان رہے ہوں کہ نکاح ہو رہا ہے تو آخر وہ کس چیز پر گواہ بن رہے ہیں۔^۲ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۶۸)

(۴) گواہ زوجین سے واقف ہوں کہ فلاں مرد اور فلاں عورت کا نکاح ہو رہا ہے اگر صرف نام سے جان جائیں تو ان کا نام بتا دینا کافی ہے۔ ورنہ زوجین کے باپ کا نام بھی لیا جائے گا اگر اس سے بھی شناخت نہ ہو سکے تو جائے سکونت وغیرہ کا بھی اظہار ہونا چاہئے تاکہ اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ کس کس کا نکاح ہو رہا ہے۔ اگر زوجین میں سے کوئی مجلس میں موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کر دینا بھی کافی ہے۔^۳ (فتاویٰ قاضیخان علی ہاشم عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۳۲۳)

وکیل کے ذریعے عقد نکاح کا طریقہ!

(۱) اگرچہ عقد نکاح کا معاملہ سرپرستوں کے ذریعے ہونا چاہئے تاہم بالغ لڑکے لڑکی کا ایجاب و قبول خود اپنی زبان سے بھی درست ہے۔ اگر وہ خود اپنی زبان کے بجائے اپنے وکیل اور نمائندے کے ذریعے نکاح کرنا چاہے تو یہ بھی درست ہے لیکن وکیل کے ذریعے اس وقت نکاح صحیح اور ثابت ہو جاتا ہے۔ جب بالغ مرد یا عورت خود اپنی زبان سے اجازت دے دے یا نابالغ لڑکے یا لڑکی کا ولی دو گواہوں کے سامنے وکیل کو صراحت یہ اجازت دے دے کہ میری لڑکی یا بہن یا لڑکے کا نکاح فلاں یا فلائی سے کر دو۔

۱۔ و شرط فی الشاہد اربعة امور، الحرية والعقل والبلوغ والاسلام، فلا ینعقد بحضرة العبد وال فرق بین القن والمدبر والمکاتب وال بحضرة المجانین والصبیان وال بحضرة الکفار فی نکاح المسلمین. (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۲۶۷)

۲۔ (ومنها) سماع الشاہدین کلمهما معا کذا فی فتح القدر فلا ینعقد بشهادة نائمين اذا لم یسمعا کلام العاقدین کذا فی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیری: ۱/۲۶۸)

(۲) گواہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ گواہ جو لڑکی کے وکیل کے ساتھ ہوتے ہیں جو یہ گواہی دیں کہ لڑکی نے ہمارے سامنے وکیل کو اپنے نکاح کا اختیار دے دیا۔ دوسرے وہ جن کے سامنے ایجاب و قبول ہوتا ہے۔ وکالت پر گواہوں کا ہونا مستحب ہے۔ اگر نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں، البتہ ایجاب و قبول کے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

نکاح کے وقت زوجین میں برابری کا خیال رکھیں!

کفائت نکاح میں حسب و نسب، ذات و برادری اور دین و دیانت میں برابری کا نام ہے۔ ”کفو“ مماثل، ہم مثل، ہم رتبہ شخص کو کہتے ہیں۔ دین کی کفائت اور برابری تو بالا جماع صحت نکاح کے لئے شرط ہے اور دین داری میں بھی بالاتفاق کفائت معتبر ہے۔ البتہ ذات اور برادری وغیرہ میں برابری نکاح کی صحت کے لئے شرط تو نہیں بلکہ قابل لحاظ ہے۔

کیا معیار فضیلت حسب و نسب وغیرہ ہیں؟

اس میں شک نہیں کہ دین اسلام میں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر اور امیر کو فقیر پر غرض کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ اور دین اسلام میں فضیلت حسب و نسب، قومیت، مال و دولت یا کسی دنیوی منصب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس میں فضیلت کا معیار ایمان و تقویٰ ہے جو جس قدر ایمان دار اور متقی ہے اسی قدر وہ صاحب فضیلت ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔“

(القرآن)

نکاح کے معاملہ میں کفائت کا جو لحاظ کیا گیا ہے وہ اس لئے نہیں کہ اسلام بھی ذات پات یا دولت و ثروت، حسب و نسب کے لحاظ سے لوگوں میں فرق کرتا ہے۔ بلکہ یہ لحاظ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ رشتہ نکاح میں پائیداری اور خوش گواری حاصل ہو۔ اور میاں بیوی کے تعلقات زیادہ سے زیادہ مضبوط اور استوار ہوں اور ان کی ازدواجی زندگی الفت و محبت اور حسن و خوبی کے ساتھ گزرے کیوں کہ عموماً لوگوں کے

رہن سہن اور زندگی گزارنے وغیرہ کے طریقے اور ان کی عادات اور خصوصیات مختلف ہوتی ہیں اگر نکاح میں دینی، معاشی اور معاشرتی مناسبت اور اس میں مطابقت کا لحاظ نہ رکھا جائے تو رشتہ نکاح میں پائیداری اور خوش گواری پیدا ہونا عادتاً مشکل ہوتا ہے۔

کفایت لڑکی اور ولی دونوں کا حق ہے!

حسب و نسب رتبہ میں کفایت اور برابری لڑکی اور اس کے ولی و سرپرست دونوں کا حق ہے لیکن دونوں اگر کسی مصلحت کے تحت اپنا حق چھوڑ دیں تو جائز ہے مثلاً لڑکا عالم دین ہے یا ہم پلہ لوگوں سے زیادہ دین دار ہے اور خوش اخلاق ہے یا اسی طرح کسی دوسری مصلحت سے اپنا یہ حق ساقط کر دے تو یہ شریعت میں محبوب اور پسندیدہ بات ہے کیوں کہ شریعت نے ان کو جو یہ حق دیا ہے اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ رشتہ نکاح میں پائیداری اور خوش گواری ہو اور لڑکی یا ولی اور سرپرست اس میں کوئی عار محسوس نہ کریں۔ (شامی، جلد ۲، صفحہ ۳۱۷)

حالانکہ اصل تو یہی ہے کہ رشتہ نکاح میں لڑکے اور لڑکی اور ان کے خاندان کے دین اور اخلاق کو دیکھنا چاہئے۔ دین و اخلاق کو نظر انداز کر کے دوسری چیزوں کو ترجیح دینا شریعت مطہرہ کی روح کے خلاف ہے۔ البتہ دین اور اخلاق کے بعد رشتہ نکاح میں لڑکی کے لئے دوسری چیزوں میں بھی برابر یا اس سے اونچی حیثیت کا رشتہ تلاش کرنا رشتہ نکاح کی پائیداری اور خوش گواری کے لئے بہتر ہے۔

کفایت اور برابری کے اسباب!

فقہائے کرام نے کفو کی علت دفع ضرر عار بیان کی ہے۔ ظاہر ہے کہ عار کے اسباب ہر معاشرہ اور عرف میں مختلف ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ”کفو“ کے اسباب فقہائے کرام نے اپنے اپنے عرف اور ذوق کے مطابق مختلف بیان کیے ہیں اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی اور اس کے خاندان والے جس معاشرہ میں رہتے ہیں وہاں کے عرف اور معاشرتی روایات کے مطابق جو بات بھی ان کے لئے باعث عار سمجھی جاتی ہے۔ وہ ”کفو“ کے اسباب میں داخل ہے۔

نکاح میں ولی اور زوجین کے اختیارات!

عقدِ نکاح صرف میاں بیوی کا انفرادی معاملہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ دو خاندانوں کی عزت و وقار اور ان کی باہمی تعلقات وابستہ ہیں اور اس کی وجہ سے مختلف خاندان آپس میں جڑ جاتے ہیں اور ان کے درمیان تعلق اور رشتہ داریاں قائم ہو جاتی ہیں اور قاعدہ یہی ہے کہ جس عقد اور جس معاملہ سے جتنے لوگوں کا براہ راست تعلق ہوتا ہے اور اس سے جس قدر لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے پھر اس معاملہ کی وجہ سے جو شخص فائدہ و نقصان کے لحاظ سے زیادہ متاثر ہو سکتا ہے اسی قدر اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اب نکاح کے معاملہ میں غور کریں یہ معاملہ ایک طرف تو ایک لڑکی و لڑکے کے نکاح کا معاملہ ہے۔ دوسری طرف اس سے لڑکی اور لڑکے والے خاندانوں کی عزت و وقار اور تعلقات وابستہ ہیں۔ اس لئے شریعت مطہرہ نے اس معاملے میں دونوں کا لحاظ رکھا ہے اور اس کے اندر پوری طرح توازن اور اعتدال کو قائم کیا ہے۔

نکاح میں اصل اختیار لڑکے اور لڑکی کو ہے!

چونکہ نکاح کے گرم و سرد حالات اور اس کی اصل ذمہ داریاں شوہر اور بیوی کو اٹھانی پڑتی ہیں اس لئے نکاح کے فائدے اور نقصان کے معاملے میں اصل اختیار لڑکے اور لڑکی کو دے دیا ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید کی آیتوں میں باریک اشارے ملتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احادیث جو قرآن مجید کی سورہ بقرہ: ۲۳۰، ۲۳۲ اور احزاب: ۵۰ کی آیتوں کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں۔ ان میں بھی اس سے متعلق صاف ہدایات موجود ہیں۔ اس کے متعلق صرف دو حدیثوں کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ (سورہ بقرہ: آیت ۲۳۰ و آیت ۲۳۲، سورہ احزاب آیت ۵۰)

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

النَّيْبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبَكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوْهَا فِي نَفْسِهَا وَادْنُهَا صُمَانُهَا.
”شوہر دیدہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ) عورت اپنے نفس کے معاملے میں اپنے ولی (سرپرست) سے

زیادہ حق رکھتی ہے۔ اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے۔ اور اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَنْكَحِ الْاِیْمَ حَتّٰی تَسْتَاْمِرَ وَلَا تَنْكَحِ الْبُكَرَ حَتّٰی تَسْتَاْذِنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ اٰذْنَهَا قَالَ اِنْ تَسَكَّتْ.

”شوہر دیدہ (بیوہ اور مطلقہ) عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے۔ جب تک اس سے دریافت نہ کر لیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ اس کی اجازت کیسی ہوگی (کیوں کہ وہ تو شرماتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا خاموش ہو جانا۔ (بخاری و مسلم)

”ایم“ کے اصل معنی ”بے شوہر والی عورت“ کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ و مطلقہ، لیکن یہاں مراد وہ عورت ہے جو شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد بے شوہر ہو گئی ہو۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہوئی کہ نکاح میں عورت کی مرضی اور اس کی رضا مندی ضروری ہے اور اس کی رضا مندی اور اس کی اجازت کے بغیر ولی اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر لڑکی نابالغہ اور کم عمر ہے اور ابھی وہ نکاح کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی لائق نہیں ہے۔ اس کا نکاح اس کا سرپرست اس کی اجازت کے بغیر کر سکتا ہے۔ کیوں کہ بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ کبھی لڑکی کے لئے اس کے بچپن اور نوعمری ہی میں بہت اچھا رشتہ آتا ہے اور اس کا سرپرست اپنی بچی وغیرہ کی مصلحت اور اس کی خیر خواہی اس میں دیکھتا ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے اور رشتہ طے کر لے۔ ایسی صورت میں وہ اس طرح کر سکتا ہے۔

یاد رہے! نکاح میں لڑکے کی اجازت اور رضا مندی بھی ضروری ہے لیکن اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ لڑکی کی بہ نسبت لڑکا مضبوط ہوتا ہے۔ وہ اپنے ناپسند رشتہ پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بھی کر سکتا ہے۔ نیز اس کے ہاتھ میں عورت کو طلاق دینے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عورت کمزور بھی ہے۔ اس پر

حیا بھی غالب ہوتی ہیج کہنکاح کے بعد اس کا اختیار بھی ختم ہو جاتا ہے۔

نکاح میں ولی اور سرپرست کی ضرورت!

شریعت مطہرہ نے ایک طرف اصل خود مختار خود عورت کو قرار دیا اور اسی سے رضا مندی لینے کو ضروری ٹھہرا دیا۔ دوسری طرف شرفِ نسوانیت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ تعلیم دی کہ نکاح کا معاملہ اولیاء اور سرپرستوں کے ذریعے طے ہو۔ یہ بات عورت کے مقام شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا معاملہ وہ خود براہ راست طے کرے اور خود سامنے آ کر اپنے آپ کو کسی کے نکاح میں دے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور سرپرستوں کا اس میں کوئی دخل نہ ہو تو اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ عورت اس معاملہ میں دھوکا کھا جائے اور اپنے حق میں غلط فیصلہ کر لے۔

نیز عقدِ نکاح کے معاملے سے لڑکی اور لڑکے دونوں کے خاندان والے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے ضروری قرار دیا کہ خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ نکاح اور شادی سرپرستوں کے ذریعے ہو۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں باریک اشارے اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور حدیثوں میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ ولی کے اختیارات سے متعلق بھی یہاں دو حدیثوں کو پیش کرتے ہیں۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۲۱، سورہ نساء، آیت ۲۵، سورہ نور، آیت ۳۲)

(۱) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ

”ولی (سرپرست) کے بغیر نکاح نہیں۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحْتُ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ.

”جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے۔ اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، وغیرہ)

ان دو حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں خواتین کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ نکاح میں ولی اور

سرپرست کی رضامندی ضروری ہے اور عورت کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ بلکہ نکاح کا مسنون اور بہترین طریقہ یہی ہے کہ وہ سرپرستوں کے وساطت سے ہو۔

نکاح میں ولی کے نظر انداز ہونے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں!

اگر نکاح میں ولی اور سرپرست کی مداخلت سرے سے ہی ختم کی جائے۔ تو اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر نکاح میں سرپرستوں کو یک لخت نظر انداز کیا جائے اور ان کی مرضی اور نگرانی یکسر ختم ہو جائے اور لڑکے اور لڑکی کو پورا اختیار دیا جائے تو لڑکے لڑکیاں شتر بے مہار بن کر اپنی من مانی کارروائیاں کریں گے۔ ان کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوں گی، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) اس سے معاشرے میں بے حیائی اور فواحش کے دروازے کھل جاتے ہیں جو بذات خود بھی بڑی برائی و خرابی ہے اور یہ قتل و غارت جیسے دوسرے فسادات کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

(۲) نو عمر لڑکے لڑکیاں جذباتی ہوتے ہیں ان پر جوانی کی خواہشات غالب ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ان کی عقل پر حماقت کے پردے ڈیرہ ڈال دیتے ہیں۔ اس لئے وہ عارضی شوق و محبت اور اپنی عارضی خواہش کی خاطر اپنے مستقبل سے غافل ہوتے ہیں اور وہ اس وقت اس بات کو نہیں جانتے کہ ان کے لئے یہ رشتہ صحیح بھی ہے یا کہ نہیں۔ خصوصاً عورتیں تو طبعی طور پر زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اور بہت جلد ہی اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہیں ظاہر ہے کہ اگر وہ سرپرستوں کی نگرانی سے پوری طرح آزاد ہوں تو وہ اپنے بارے میں بہت غلط فیصلے کریں گی جو خود ان کی ازدواجی زندگی اور ان کی دنیا و آخرت کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔

(۳) اگر لڑکیاں نکاح میں سرپرستوں کو یکسر نظر انداز کریں تو ان کی پشت پر سے ان کے خاندان اور ان کے سرپرستوں کی حمایت و نگرانی ختم ہو جاتی ہے اور ان کے پاؤں اپنے خاندان سے اکھڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ بالکل بے سہارا بن کر شوہر اور ان کے گھر والوں کے رحم و کرم پر باقی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں یا پھر وہ وہاں سے بھی بھاگ کر دوسری جگہ ناجائز تعلقات قائم کرنے کی جسارت کرتی ہیں اور ایسی خواتین کی علیحدگی یا طلاق ہو جانے کی صورت میں وہ ہمیشہ اپنے پورے خاندان میں بدنامی کا سبب بنتی

ہیں اور سرپرستوں کے ہاں ذلیل ہو کر یا پھر در بہ در کی ٹھوکریں کھا کر باقی زندگی گزارتی ہیں۔ یعنی اس ذرہ سی لغزش سے ہر طرح کی ذلت و خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۴) نکاح میں سرپرستوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے میاں بیوی دونوں کے خاندانوں میں رخنے اور دوریاں بلکہ دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ اس طرزِ عمل سے میاں بیوی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ قطع رحمی کے وبال و گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۵) نکاح میں سرپرستوں کی موجودگی کی وجہ سے نکاح کی اہمیت، اس کا وقار اور شان بڑھ جاتی ہے اور یہ ایک بہت اہم اور سنجیدہ معاملہ بن کر لوگوں کے سامنے آ جاتا ہے اور جس نکاح میں قریبی رشتہ دار اور سرپرست بھی موجود نہ ہوں اور جس نکاح کی وجہ سے اپنے سرپرست اور سارے رشتہ دار کٹ جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نکاح ہی کیا ہوا؟

یہ تو بچوں کا کھیل اور ایک طرح کا چوری چھپی نکاح ہوگا۔ جو شریعت کی نظر میں قابلِ ملامت ہے اور لوگوں کی نظروں میں بھی اس نکاح کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ یہ اور اس طرح کی دوسری وجوہات کی بنا پر نکاح میں لڑکے اور خصوصاً لڑکی کی سرپرستوں کی نگرانی اور ان کی مداخلت کی ہدایت فرمائی۔

لڑکی، لڑکے کی مرضی کے بغیر نکاح کرنے کی خرابیاں!

نکاح میں اگر چہ ولی اور سرپرست کا عمل دخل ہونا چاہیے لیکن نکاح کے معاملے میں پورا پورا اختیار سرپرستوں کو دے دیا جائے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں کہ وہ زوجین کی مرضی معلوم کیے بغیر نکاح کیا کریں۔ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ... سرپرست لڑکے اور لڑکی کے رجحانات، میلانات کو نہیں جانتے اور زوجین خود ہی اپنے اندرونی میلان کو خوب جانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو لڑکا پسند ہو مگر لڑکے کو لڑکی ناپسند ہو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ لڑکا تو کسی لڑکی کو پسند کرے لیکن لڑکی اس کے نکاح سے راضی نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ مل جل کر زندگی تو میاں بیوی ہی نے گزارنی ہے۔ اگر ان کے درمیان مناسبت نہ ہو۔ تو ان کی زندگی تلخ گزرے گی اور اکثر ایسے رشتے پائیدار نہیں ہوتے بلکہ ٹوٹ جاتے ہیں۔

(۲) میاں بیوی کی زندگی ناخوش گوار ہو یا ان میں طلاق، خلع کے ذریعے جدائی واقع ہو جائے تو دونوں صورتوں میں میاں بیوی کے خاندانوں کے درمیان دوری بلکہ دشمنیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۳) جب لڑکے اور لڑکی میں قلبی لگاؤ اور مناسبت نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے حقوق کے ادائیگی میں کوتاہی اور غفلت کرتے ہیں اسی طرح صرف ان کی زندگی تلخ نہیں ہوتی بلکہ وہ حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے اپنی عاقبت بھی خراب کر سکتے ہیں۔

(۴) سرپرست اگر ایسی جگہ نکاح کرتا ہے جس پر لڑکا یا لڑکی راضی نہیں تو یہ زوجین پر ظلم ہے۔ خصوصاً لڑکی کے ساتھ بڑی زیادتی ہے کیوں کہ نکاح قائم ہو جانے کے بعد طلاق کے ذریعے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا اختیار بھی اس کے خاوند کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے سرپرستوں سے متنفر اور بے زار رہتی ہے اور دل میں اپنے سرپرستوں کو بد دعائیں دیتی رہتی ہے۔

(۵) میاں بیوی نکاح پر راضی نہ ہوں اور ایک دوسرے سے متنفر ہوں یا لڑکا بیوی سے یا بیوی شوہر سے متنفر ہو، ایسی صورت میں اگر تقویٰ بھی کم ہو تو وہ دوسروں کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرتے ہیں یا مرد طلاق دیتا ہے یا عورت بھاگ جاتی ہے یا پھر باپ کے گھر بیٹھ کر پریشان زندگی گزارتی ہے۔

(۶) بعض سرپرست انتہائی مفاد پرست لالچی یا خبیث طبع ہوتے ہیں وہ اپنی لالچ اور مفاد کی خاطر اپنی بیٹی وغیرہ کی زندگی کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کو لڑکی کا اختیار دینا ظلم ہے جو دین اسلام کے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے نکاح میں لڑکے اور لڑکی کی رضامندی اور اجازت کا حاصل کرنا از بس ضروری ہے۔ اس لئے نکاح کے معاملے میں شریعت نے اصل اختیار زوجین ہی کو دیا ہے کہ ان کی اجازت ان کی رضامندی کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔ خصوصاً لڑکی کا معاملہ جو انتہائی نازک ہے کیوں کہ لڑکا اگر متنفر ہے وہ بیوی کو طلاق بھی دے سکتا ہے اور دوسری شادی بھی کر سکتا ہے لڑکی بے چاری تو نکاح کے بعد اپنے شوہر کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔

ازدواجی زندگی خوشگوار کب ہوگی؟

شریعت نے میاں بیوی اور ان کے ولی اور سرپرست کے متعلق جو عدل اور حکمت پر مبنی ہدایات دی

ہیں ان میں زوجین اور ان کے سرپرستوں کی رائے کا لحاظ نہایت اعتدال اور توازن کے ساتھ رکھا ہے۔ ان ہدایات پر عمل کرنے سے نکاح کی برکات اس کے فوائد سامنے آتے ہیں۔ اس سے پاکیزہ ماحول اور معاشرہ بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے خاندانوں کے درمیان اتفاق و اتحاد الفتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور میاں بیوی کی ازدواجی زندگی خوش گوار گزرتی ہے اور یہ زوجین اور ان کے خاندان والوں کے لئے دنیا و آخرت کی خوشی اور ترقی و کامیابی کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر عورتوں کے ساتھ باندیوں اور جانوروں کا سا معاملہ کیا جائے کہ ان کی مرضی کے خلاف ان کے نکاح کئے جائیں۔ اس سے بہت سی برائیاں اور فتنے پھلتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر نکاح کے اس اہم معاملہ میں سرپرستوں کو نظر انداز کر کے لڑکے لڑکیوں کو اپنی من مانی کارروائیوں و کرتوتوں کے لئے آزاد چھوڑا جائے۔ جیسا کہ مغرب کی بے خدا تہذیب نے نکاح کو بچوں کا کھیل بنایا ہے تو دنیا میں فساد ہوگا۔ ازدواجی زندگی کی بنیادیں گر کر برباد ہو جائیں گی اور خاندانوں کے مابین رشتہ داریاں بلکہ ان کا تصور ختم ہو جائے گا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گے۔ اگر اس روشن خیالی اور آزادی کے برے نتائج دیکھنے ہوں تو مغربی تہذیب پر ایک نظر ڈال لیں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی ازدواجی زندگی بالکل درہم برہم ہو گئی اور وہ مسلمانوں کی ازدواجی زندگی کے لئے ترس رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمانوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں قرآن و سنت اور دین اسلام کی تعلیمات پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

ولی اور اجازت کے مسائل!

(۱) نکاح میں ولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو لڑکیا لڑکی کے نکاح کا اختیار حاصل ہو اور ولی کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ ہو۔

(۲) نابالغ لڑکے اور لڑکیاں اگرچہ وہ ہوشیار ہوں کا نکاح اور اسی طرح غلاموں کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر انہوں نے از خود نکاح کیا یا کسی اور نے ان کا نکاح کیا۔ تو اس نکاح کی صحت بھی ولی کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر وہ اجازت دے تو نکاح درست ہے ورنہ صحیح نہیں۔

(۳) اگر نابالغ یا نابالغہ بالکل چھوٹے ہوں جو کوئی امتیاز نہ کر سکتے ہوں تو ایسے نابالغ کا اول ہی

سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔ (بدائع، جلد ۲، صفحہ ۲۳۲)

اولیاء کی ترتیب!

(۱) سب سے اول لڑکے، لڑکی کے نکاح کے ولی ان کے عصبہ بنفسہ ہیں۔ عصبہ بنفسہ وہ ہوتے ہیں جن کا رشتہ عورت کے توسط سے نہ ہو۔ عصبہ بنفسہ کے چار اقسام ہیں اپنے مذکر فروغ: بیٹے، پوتے، پڑپوتے وغیرہ۔ اپنے مذکر اصول: باپ، دادا وغیرہ۔ اپنے باپ کے مذکر فروغ: بھائی، بھتیجے وغیرہ۔ اپنے دادا پر دادا کے مذکر فروغ: یعنی چچا اور باپ کا چچا وغیرہ۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳)

اگرچہ عصبہ بنفسہ میں وراثت کے اعتبار سے مقدم اپنے مذکر فروغ ہیں مگر چونکہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کے فروغ نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے نابالغ لڑکے اور لڑکی کے سب سے پہلے ولی اپنے مذکر اصول یعنی باپ پھر دادا وغیرہ ہی ہوتے ہیں اور اگر کسی پاگل مجنونہ کے بیٹے ہوں اور وہ اس مجنونہ کا نکاح کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کے بیٹے اس کے ولی ہوں گے۔ اس مسئلہ میں کچھ اختلاف ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر مجنونہ کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی تو اس کے باپ کو چاہئے کہ اپنے نواسے یعنی مجنونہ کے بیٹے کو اس کے نکاح میں حکم دے تاکہ بغیر کسی اختلاف کے بیٹے کی ولایت صحیح ہو جائے۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳)

(۲) عصبہ بنفسہ ہوں تو ان میں اقرب وہ ہے جو وراثت میں مقدم ہو۔

(۳) اگر عصبہ بنفسہ میں سے کوئی نہ ہو تو ولایت ماں کو حاصل ہے۔ پھر دادی پھر نانی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن پھر سوتیلی یعنی باپ شریک بہن پھر اخیانی یعنی صرف ماں شریک بھائی بہن، پھر پھوپھی پھر ماموں پھر خالہ وغیرہ۔ (تنویر مع الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۳۱۲)

جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ اس کا ولی حاکم ہے۔

نکاح کے معاملے میں عاقلہ، بالغہ کو مجبور نہیں کیا جاسکتا!

(۱) عاقلہ بالغہ کو ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا اس کا اپنا اختیار ہوتا ہے۔ البتہ نکاح کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے کہ وہ اس معاملے میں ولی اور سرپرست کی رائے اور رضامندی کا خیال رکھے اور عورت کو چاہیے کہ وہ اپنا نکاح اپنی زبان سے خود نہ کرے۔ بلکہ اپنے ولی کے ذریعے سے اپنا نکاح پڑھوائے۔ (تنویر، جلد ۲، صفحہ ۲۹۸)

(۲) کسی عاقل بالغ لڑکے لڑکی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ اگر ان کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح کسی جگہ کیا گیا تو ان کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر انہوں نے اس کو جائز رکھا۔ تو جائز ورنہ باطل ہو جائے گا۔

(۳) اگر باپ دادا وغیرہ نے بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان سے اجازت لئے بغیر کر دیا۔ پھر اس کے بعد ولی یعنی اس کے باپ وغیرہ نے خود ان کو خبر دی یا اس نے کسی معتبر شخص کے ذریعے ان کو یہ خبر دی کہ تمہارا نکاح فلان سے کر دیا گیا۔ اب اگر یہ لڑکی کنواری ہے تو اس کی خاموشی اجازت سمجھی جائے گی۔ اگر یہ لڑکا ہے یا عورت بیوہ یا مطلقہ ہے تو ان کا زبان سے واضح طور پر اجازت دے دینا ضروری ہے۔ ان کے لئے صرف چپ رہنا کافی نہیں ہے۔ (بدائع، جلد ۲، صفحہ ۲۴۲)

(۴) جس صورت میں لڑکی کو زبان سے اجازت دینا ضروری ہے اگر اس صورت میں لڑکی خاموش رہی اور اس کا شوہر اس کے پاس آیا اور اس نے مباشرت سے انکار نہیں کیا تو یہ بھی اس کی رضا سمجھی جائے گی۔ (بدائع، جلد ۲، صفحہ ۲۴۲)

(۵) بالغہ اور بیوہ عورت بھی نکاح غیر کفو میں بدون رضائے ولی کے نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ ایسا کریں گی تو وہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اگر ولی اس کو منظور کرے تو ان کا نکاح جائز ہوگا۔ (بدائع، جلد ۲، صفحہ ۳۱۸ و عالمگیری جلد ۱ ص ۲۹۲)

(۶) کفو ہم مثل ہم رتبہ شخص کو کہتے ہیں اگر مرد اور عورت حسب نسب اور دین داری وغیرہ میں باہم مماثل نہ ہوں تو اس کو غیر کفو کہتے ہیں اور کفایت شوہر کی طرف سے معتبر ہے کہ شوہر عورت سے کمتر ورنچ خاندان کا نہ ہو اور عورت کی طرف سے کفایت کا اعتبار نہیں۔ اگر عورت کم درجہ کی ہو اور شوہر کا حسب و نسب اعلیٰ درجہ کا ہو تو اسی حالت میں نکاح صحیح ہوگا۔

نابالغہ لڑکی کا نکاح!

(۱) نابالغہ لڑکی کا نکاح اگر اس کا والد یا دادا کرے خواہ کفو میں ہو یا غیر کفو میں۔ اسے خیار بلوغ یعنی بلوغ کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔ بشرطیکہ اس کا باپ یا دادا پاگل یا بے وقوف نہ ہوں اور انہوں

نے یہ نکاح بچی کی خیر خواہی میں کیا ہو۔ کیوں کہ باپ یا دادا کی شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ انہوں نے کفایت وغیرہ کو لڑکی کے کسی اہم فائدے کے لئے نظر انداز کیا ہو گا نہ کہ لڑکی کی بدخواہی یا بے پروائی کی وجہ سے۔ بخلاف دوسرے سرپرستوں کے کہ وہاں بدخواہی یا کم از کم بے پروائی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۳۰۴)

(۱) اگر اس کا باپ یا دادا پاگل یا بے وقوف ہے یا اس کے باپ یا دادا کے ہوش و حواس نشہ یا سخت بیماری کی وجہ سے درست نہ ہوں یا باپ یا دادا کے ہوش و حواس تو درست ہوں مگر اس کے بارے میں واضح طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے یہ نکاح محض اپنے دنیوی مفاد اور دنیوی لالچ کی خاطر کیا ہے اور اس میں لڑکی کی مصلحت اور خیر خواہی کا لحاظ نہیں کیا اور نکاح بھی غیر کفو میں کیا ہے تو مذکورہ تمام صورتوں میں یہ نکاح صحیح نہیں، بلکہ باطل ہے۔ (البحر الرائق، جلد ۳، صفحہ ۱۳۵)

(۳) اگر نکاح کفو میں کیا ہے مگر اس میں باپ کا ذاتی مفاد اور لالچ بچی کی مصلحت پر نظر اور اس کی خیر خواہی کا نہ ہونا، یقینی طور پر ثابت ہو جائے ایسی صورت میں بلوغ کے بعد بچی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

(۴) اگر باپ یا دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نابالغہ کا نکاح کر دیا ایسی صورت میں بہر حال نابالغہ کو بلوغ کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح سے ناراضگی ظاہر کر دے اور اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ ایسی صورت میں بذریعہ شرعی عدالت وغیرہ کے وہ اپنے نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

(۵) اگر اس نے بلوغ کے وقت انکار نہیں کیا تو اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا۔ (بحر الرائق مع کنز الدقائق ۳/ ۱۲۱-۱۲۰)

اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے نکاح غیر کفو میں کر دیا تو نکاح صحیح ہی نہیں بلکہ باطل ہے۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۳۰۵)

(۶) جن صورتوں میں عورت کو اپنا نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے ایسی صورتوں میں نکاح

محض عورت کے انکار سے فسخ اور ختم نہ ہوگا بلکہ قضائے قاضی یا علماء کی ایک جماعت کی قضاء اور فیصلے سے فسخ اور ختم ہوگا۔ واللہ اعلم

(۷) جن صورتوں میں نکاح صحیح ہی نہیں بلکہ باطل ہے ایسی صورتوں میں سرے سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ ایسا نکاح کالعدم ہے۔ ایسے نکاح کے ختم کرنے کے لئے قاضی وغیرہ کے فیصلے کی بھی ضرورت نہیں اور نہ اس کے لئے عورت کے انکار کی ضرورت ہے کیوں کہ ایسی صورت میں نکاح ہوگا ہی نہیں اس لئے لڑکا لڑکی (دونوں اگر اس رشتے کو پسند کرتے ہیں تو پھر سے دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا ورنہ دونوں) ایک دوسرے سے آزاد ہیں۔

نابالغہ کے لئے خیالِ بلوغ!

نابالغہ سے متعلق جو مسائل اوپر لکھے گئے ہیں وہ تمام ترقیہ حنفیہ سے ماخوذ ہیں لیکن نابالغہ کے لئے خیالِ بلوغ کا مسئلہ چونکہ بڑا اہم ہے اور فقہ حنفیہ کے مطابق اس مسئلہ میں نابالغہ کے لئے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ خصوصاً آج کل کے حالات اور بعض علاقوں میں نابالغہ کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے اس کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ میں از سر نو غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس کے متعلق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی کتاب ”جدید فقہی مسائل“ نظر سے گزری اس میں انہوں نے اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے جو مجھے پسند آئی اس لئے اس کو یہاں من و عن نقل کرتا ہوں۔

خیالِ بلوغ کا حق اور اس کا استعمال!

نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح بھی ہو سکتا ہے اس پر امت کا اجماع ہے! پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان کا نکاح ان کے اولیاء ہی کریں گے۔ اس لئے کہ شریعت کی نظر میں جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔ معاملات کے باب میں ان کے اختیارات مسلوب ہوتے ہیں۔ البتہ کن اولیاء کو نابالغ بچوں کا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے؟ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور مشہور روایت کے مطابق امام احمدؒ کا خیال ہے کہ صرف باپ کو ہی یہ حق حاصل ہے، ان کے علاوہ کوئی نابالغ بچے کا نکاح نہیں کر سکتا امام شافعی رحمہ اللہ نے باپ کے ساتھ دادا کا بھی اضافہ کیا ہے کہ ان دونوں کو حق ہے کہ وہ نابالغ لڑکوں اور

لڑکیوں کی رضامندی کے علی الرغم بھی ان کا نکاح اپنی صوابدیدی سے کر سکتے ہیں۔ البتہ چونکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں فاسق کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر باپ یا دادا فاسق ہوں تو وہ نابالغ کا نکاح کرنے کے مجاز نہیں رہیں گے۔ ۲

فقہاء کی رائے!

احناف کے ہاں تمام اولیاء باپ، دادا، چچا، بھائی وغیرہ جبراً نابالغ کا نکاح کر سکتے ہیں اور ان سبھی کو نابالغ پر ولایت اجبار حاصل ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہاں باپ اور دادا کے علاوہ دوسرا کوئی رشتہ دار نکاح کرے یا باپ و دادا ہی کرے لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ وہ اپنے اختیارات کا غلط اور ناروا استعمال کرتا ہے تو بالغ ہونے کے بعد اسے اختیار ہے، چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے ورنہ فسخ کر دے۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں ”خیار بلوغ“ کہا جاتا ہے اور اگر باپ یا دادا نے نکاح کیا اور پہلے سے اپنے اختیارات کے غلط استعمال میں مشہور نہیں ہیں تو اب ”خیار بلوغ“ حاصل نہ ہوگا۔ مگر امام ابو یوسفؒ کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ ان کے ہاں کوئی بھی ”ولی“ نکاح کرے اس کا نکاح لازم ہو گیا اب بالغ ہونے کے بعد اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں رہے گا۔ ۳

احناف کے دلائل!

روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس مسئلہ میں بعض امور کو مستثنیٰ کر کے احناف کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ نابالغ بچوں کا نکاح والدین کے علاوہ دوسرے اولیاء نے کیا ہے اور اس بنا پر بالغ ہونے کے بعد ان کو نکاح باقی رکھنے یا روک دینے کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت امامہ بنت حمزہؓ کا نابالغی کے عہد میں نکاح کیا اور بالغ

۱: رحمۃ الامۃ، صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵

۲: رحمۃ الامۃ، صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵

۳: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۳۰/۴۔

ہونے کے بعد آپ نے ان کے لئے خیال کی گنجائش رکھی۔

وجعل لها الخيار اذا بلغت. (فقہ السنۃ للشیخ سابق: ۲/۱۳۰ زواج الصغیرۃ.)
(۲) یتیم بچوں کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے لکھا کہ اگر نابالغی میں ان کا نکاح کر دیا جائے تو ان کو اختیار حاصل ہوگا۔

اِذَا زَوَّجَاهُمَا وَهُمَا صَغِيرَانِ اَنْتَهُمَا بِالْخِيَارِ. (الہدایہ: ۲/۲۹۶)

احناف زیادہ تر اس مسئلہ پر قیاس پیش کرتے ہیں کہ چونکہ باپ یا دادا بچوں کے لئے پوری طرح ہمدرد (اور وافر شفقت) ہوتے ہیں اس لئے ان کا کیا ہوا نکاح تو لازم ہو جائے گا۔ دوسرے اولیاء میں چونکہ شفقت اس درجہ نہیں رہتی۔ اس لئے ان کا کیا ہوا نکاح درست تو ہو جائے گا، مگر لازم نہ ہوگا اور بالغ ہونے کے بعد اختیار ہوگا چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے یا رد کر دے۔

لیکن جیسا کہ واضح ہے اوپر جو روایت اور اثر ذکر ہوئے ہیں ان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اگر نابالغی کی حالت میں نکاح کر دیا جائے تو بالغ ہونے کے بعد ”خیار بلوغ“ حاصل ہوگا۔ احناف کے یہاں باپ اور دوسرے اولیاء کے درمیان جو فرق کیا گیا ہے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ سوائے اس کے کہ باپ اور دادا کی شفقت کے تحت ان سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے بچے کے حق میں اچھے رشتہ ہی کا انتخاب کیا ہوگا، دوسرے رشتہ داروں کے بارے میں اس قدر حسن ظن رکھنا مشکل بھی ہے اور تجربہ کے خلاف بھی۔

قاضی شریح رحمہ اللہ!

مگر ابن ابی شیبہ نے اس سلسلہ میں ایک تیسری رائے بھی پیش کی ہے جو قاضی شریح رحمہ اللہ کی ہے جن کو عہد فاروقیؓ سے لے کر حضرت علیؓ کے عہد تک اجلہ صحابہؓ کے عہد میں منصب قضاء پر فائز رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے اور صرف یہی بات ان کے تفقہ، دین کی مزاج شناسی اور کتاب و سنت کی روح پر ان کی گہری نظر کے لئے شاہد عدل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر باپ خود ہی اپنے بیٹے کا نکاح کر دے تو بھی جوان ہونے کے بعد اس کو اختیار حاصل ہوگا، چاہے تو اس کو باقی رکھے یا رد کر دے۔

إِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَهُ فَالْخِيَارُ لَهُمَا إِذَا شَبَا.
 غالباً یہی رائے طاؤس کی بھی ہے انہوں نے مطلقاً باپ یا دادا کی قید لگائے بغیر نابالغوں کو خیار بلوغ کا حق دیا ہے۔

قَالَ فِي الصَّغِيرِينَ هُمَا بِالْخِيَارِ إِذَا شَبَا.
 اور بعض قرائن ہیں جو اس رائے کی تائید میں جاتے ہیں:
 اول یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کی صاحب زادی کے بلوغ کے بعد ”خیار بلوغ“ کا ذکر کرتے ہوئے یہ ارشاد نہیں فرمایا ”چونکہ اس کے باپ یا دادا نے یہ نکاح نہیں کیا ہے بلکہ میں نے کیا ہے اس لئے خیار بلوغ حاصل ہوگا“ بلکہ مطلق یہ بات فرمائی کہ اس کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ بچوں اور بچیوں کو مطلقاً خیار حاصل ہوگا۔ چاہے نکاح خود اس کے باپ اور دادا کریں یا کوئی اور۔

دوسرے جب نابالغ اولاد پر باپ جبر نہیں کر سکتا تو اولاد کے بالغ ہونے کے بعد بھی ان کو اس رشتہ میں اختیار حاصل ہونا چاہئے جو جبراً اس پر مسلط کیا گیا تھا تا کہ اس رشتہ میں ان کی رضا شامل ہو جائے۔

احناف کی دلیل پر ایک ناقدانہ نظر!

احناف کا یہ قیاس کہ باپ اور دادا وافر الشفقت ہوتے ہیں، اس لئے ان کا نکاح لازم ہو جائے گا محل نظر ہے:

ایک تو اس لئے کہ اگر نکاح میں حق انتخاب کے حاصل ہونے اور نہ ہونے کے لئے یہی معیار ہوتا تو پھر بالغ بچوں پر بھی باپ یا دادا کو ایسی ہی ولایت حاصل ہونی چاہیے تھی۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے، دوسرے عین ممکن ہے کہ ایک نابالغ بچہ کا رشتہ باپ اور دادا نے دوسری نابالغ بچی سے موجودہ حالات کی بنا پر کر دیا ہو مگر بعد کو ماحول کے بگاڑ اور تربیت کے فساد کے نتیجے میں اس میں صلاح باقی نہ رہے۔ نابالغی کے نکاح میں اس طرح باتوں کا پیش آ جانا کوئی شاذ و نادر واقعہ نہیں ہے، بلکہ کثرت سے ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اب کیا یہ شفقت اور ہمدردی ہوگی کہ پھر بھی اس لڑکے کو اسی لڑکی کے ساتھ بندھ کر رہنے پر مجبور کیا جائے؟

پھر ایک اتنا بڑا مسئلہ جس سے زندگیوں اور قسمتوں کے فیصلے وابستہ ہیں۔ کتاب و سنت کی کوئی نص ہے نہ صحابہؓ کے آثار ہیں اور نہ کوئی مضبوط قیاس ہے جس کی بنیاد کسی منصوص شرعی نظیر پر ہو، دوسری طرف قاضی شریح کا قول موجود ہے جس کو عہد صحابہؓ کی عدالتی نظیر کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ حدیث کا اطلاق ہے جو ہر نابالغ کے حق میں ”خیار بلوغ“ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد ”باپ یا دادا“ کے اختیارات کا سلب کر لیا جانا اور خود اس کی رضا مندی اور آمادگی کا ضروری ہونا ایک مسلمہ اصول ہے۔ جو مطلقاً خیار بلوغ کا تقاضا کرتا ہے۔ ان امور کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں قاضی شریح کی رائے زیادہ قوی بھی ہے اور قرین مصلحت بھی۔

بعض فقہاء احناف کو اس مسئلہ پر منصوص نظیر بھی پیش کرنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نابالغی میں نکاح کیا تھا اور نکاح کے ولی خود حضرت عائشہؓ کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے، اگر بالغ ہونے کے بعد ”خیار بلوغ“ حاصل ہوتا تو حضرت عائشہؓ سے پیشکش فرماتے کہ اگر چاہو تو اس نکاح کو رکھو ورنہ رد کردو، جیسا کہ نفقہ کی تنگی اور ازواج مطہرات کے مطالبہ کے وقت آپ ﷺ نے تمام ازواج مطہراتؓ کو اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں اور چاہیں تو علیحدہ ہو جائیں۔

لیکن ادنیٰ غور و تامل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ استدلال بہ تکلف ہے۔ خیار بلوغ کوئی لازمی چیز نہیں ہے۔ جس کا استعمال کیا ہی جائے بلکہ ایک اختیاری چیز ہے جس کا تعلق خود اس شخص سے ہے جس کو اختیار حاصل ہے اگر یہ بات ثابت ہوتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خیار بلوغ کا مطالبہ کیا اور آپ ﷺ نے رد کر دیا تو بجا طور پر یہ استدلال درست ہوتا۔ حدیث سے کہیں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اس حدیث سے اگر کوئی بات ثابت کی جاسکتی ہے تو وہ یہ کہ باپ اگر اپنی صوابدید سے نابالغ بچے کا نکاح کر دے تو بالغ ہونے کے بعد باپ کی یہ ذمہ داری نہیں رہتی کہ وہ اپنی اولاد کو اختیار دے کہ اگر چاہو تو نکاح کو باقی رکھو ورنہ رد کردو بلکہ اس اختیار کو استعمال کرنا خود اس کا کام ہے۔ اگر بالغ ہونے کے بعد اس اختیار کو استعمال نہ کیا اور اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو نکاح لازم ہو جائے گا۔ نیز اس کو واقعہ تنخیر پر قیاس کرنا بھی غلط ہے

وہاں رسول اللہ ﷺ من جانب اللہ اس بات پر مامور تھے کہ اپنی ازواج کو اختیار دیں اور ان کی مرضی معلوم کر لیں، یہاں جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ باپ پر یہ بات واجب نہیں ہے کہ وہ بچوں کو اس حق پر متنبہ بھی کرے، وہاں اختیار دینے کا تعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے تھا۔ یہ ازواج مطہرات کا کوئی ذاتی حق نہ تھا اس لئے خصوصیت سے اس کا اظہار ضروری تھا اور یہاں یہ ایک مستقل اور شرعی حق ہے جس کا تعلق خود حضرت عائشہ سے تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کی طرف سے اختیار دیا جانا چنداں ضروری نہ تھا۔

حالات کا تقاضا!

خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہاں اصول ہے کہ اگر پہلے کسی واقعہ نکاح میں ایک شخص کا اپنے اختیار کو غلط اور بے جا استعمال کرنا ثابت ہو یا نشہ کی حالت میں اس نے اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کیا ہو تو اس کا نکاح لازم نہ ہوگا اور بالغ ہونے کے بعد بچوں کو اختیار بلوغ حاصل رہے گا۔

إِذَا زَوَّجَهُمُ الْآبُ أَوْ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ بُلُوغِهِمَا بِشَرِّطَيْنِ أَنْ لَا يَكُونَ مَعْرُوفًا بِسُوءِ الْإِخْتِيَارِ قَبْلَ الْعَقْدِ ثَانِيَهُمَا أَنْ لَا يَكُونَ سُكَرَانَ فَيَقْضَى عَلَيْهِ سُكْرًا بِتَرْوِيجِهَا بِغَيْرِ مَهْرٍ الْمَثَلُ أَوْ بِفَاسِقٍ أَوْ غَيْرِ كَفَوٍ. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعه، جلد ۴، صفحہ ۳۰)

نیز اگر گناہ پر جبری اور بدنام اور بے غیرت فاسق ہو، جسے فقہاء اپنی اصطلاح میں ”فاسق متہک“ کہتے ہیں اور وہ نابالغ بچہ کا اس طرح نکاح کر دے جو بے ظاہر خلاف مصلحت محسوس ہو مثلاً لڑکی کا مہر کم یا لڑکے کا مہر زیادہ متعین کر دے یا غیر کفو سے نکاح کر دے یا اس طرح کوئی اور خلاف مصلحت بات پیش آجائے تو یہ نکاح جائز نہ ہوگا۔

نعم اذا كان متهكاً لا ينفذ تزويجه ايها بنقض عن مهر المثل ومن غير كفؤ.....
وحاصله ان الفسق وان كان لا يسلب الاهلية عندنا لكن اذا كان الاب لا ينفذ تزويجه الا بشرط المصلحة. (رد المحتار، جلد ۲، صفحہ ۳۲۰، باب الولی)

ہندوستان کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ نابالغی کے نکاح کا رواج اہل علم، اہل دانش اور متمدن لوگوں کے طبقہ میں شاید ایک فی ہزار بھی نہ ہوگا۔ ایسے نکاح کے واقعے زیادہ تر پسماندہ اور جاہل اور علم دین سے نا

آشنا اور دیہاتیوں کے حلقہ میں پیش آتے ہیں اور ان کی جہالت اور پسماندگی نیز بعض موقعوں پر حرص یا مجبوری اکثر اوقات ان کے اختیارات کا غلط استعمال کراتی ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ میں قاضی شریح رحمہ اللہ کی رائے اختیار کی جائے اور باپ، دادا کے نکاح کرنے کے باوجود نابالغ کو ”خیار بلوغ“ کا مستحق قرار دیا جائے۔

خیار بلوغ کے لئے اصول اور طریقہ کار!

اب ایک نظر ان شرائط اور اس طریقہ کار پر بھی ڈالنے کی ضرورت ہے جو ہمارے فقہاء نے ”خیار بلوغ“ کا حق استعمال کرنے کے لئے متعین کی ہیں۔ فقہاء احناف کے ہاں اس کی تفصیل اس طرح ہے:

باکرہ لڑکی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس لمحہ بالغ ہو خاموش نہ رہے اور فوراً کہہ اٹھے کہ میں اپنا نکاح رد کرتی ہوں۔ اگر اس نے خاموشی اختیار کر لی تو چاہے ابھی بالغ ہونے کی مجلس ختم بھی نہ ہوئی ہو پھر بھی اس کا اختیار ختم ہو جائے گا اس لئے کہ خیار بلوغ اختتام مجلس تک بھی باقی نہیں رہتا ہے۔

وسکوت البکر رضائها ولا يمتد خيارها إلى آخر المجلس . (شرح وقایہ، جلد ۲،

صفحہ ۲۴)

بعض حضرات نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ اگر وہ مہر کی بابت دریافت کرے یا شوہر کے بارے میں جس سے ابھی خلوت کی نوبت نہ آئی ہو پوچھے یا جن لوگوں کو نکاح سے اپنی ناراضگی پر گواہ بنانا چاہتی ہو ان کو پہلے سلام کر دے تو بھی اس کا اختیار ختم ہو جائے گا۔

واذا بلغت وسألت عن اسم الزوج وعن المهر المسمى أو سلمت على الشهود

بطل خيار البلوغ كذا في المحيط . (الفتاویٰ الہندیہ، جلد ۴، صفحہ ۱۰)

لیکن ابو بکر بھاص نے لکھا ہے کہ مجلس ختم ہونے تک باکرہ کا اختیار باقی رہے گا اور ہسکتی نے لکھا ہے کہ مہر یا شوہر کے متعلق دریافت کرنے یا گواہوں کو سلام کرنے سے خیار باطل نہ ہوگا۔

”فلو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة أو عن الزوج أو سلمت على الشهود لم

يبطل خيارها“ (الدر المختار، جلد ۲، صفحہ ۳۳۵)

مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس قسم کی مبالغہ آمیزی کو تکلف اور تشدد قرار دیا ہے۔

”وما قيل لو سألت عن اسم الزوج او عن المهر او سلمت على الشهود بطل

خيارها تعسف لادليل عليه“ (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، جلد ۲، صفحہ ۲۴)

اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اس کو فوراً بعد دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں تلاش کرنی چاہئیں جن کو گواہ بنایا جاسکے اور لڑکی ان کے سامنے کہے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور آپ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنا نابالغی میں کیا گیا نکاح رد کرتی ہوں۔ بعض لوگوں کا تو خیال ہے کہ اگر وہاں کوئی گواہ میسر نہ آسکے اور آبادی سے دور رہنے کے باعث چند دنوں تک وہ کسی کو گواہ نہ بنا سکی تو بھی اختیار باطل ہو جائے گا۔

”فمكثت اياما لاتقدر على الشهود وقال الزمها النكاح ولم يجعل هذا عذرا“

(الفتاویٰ الہندیہ، جلد ۲، ص ۱۰)

مسئلہ کی اس نزاکت کے باعث فقہاء احناف کو اس مسئلہ میں باکرہ عورت کو جھوٹ بولنے کی اجازت دینی پڑی ہے کہ اگر بروقت وہ کوئی گواہ بنانے پر قادر نہ ہو تو اس وقت بہ طور خود اس نکاح پر عدم آمادگی کا اظہار کر دے پھر جب گواہ ملے تو اسے یہ نہ بتائے کہ میں فلاں وقت بالغ ہوئی تھی بلکہ کہے کہ میں ابھی بالغ ہوئی ہوں اور نکاح کو رد کرتی ہوں۔ اس قسم کے ایک مسئلہ میں جب امام محمدؒ سے دریافت کیا گیا کہ یہ تو جھوٹی بات ہوئی، ایسا کرنا کیونکر جائز ہوگا تو انہوں نے کہا کہ ضرورۃً اپنے حق کو بطلان سے بچانے کے لئے وہ جھوٹ بول سکتی ہے اور اس کا جھوٹ بولنا مباح ہوگا۔

”لاتصدق فی الاشهاد فجاز لها ان تكذب كي لا يطل حقه“ (عمدة

الرعاية، جلد ۲، صفحہ ۲۴)

مگر اظہار ناراضگی میں عجلت کا یہ حکم صرف باکرہ کے لئے ہے، نابالغ لڑکا اور نابالغہ ثیبہ (شوہر دیدہ) لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس وقت تک خیار بلوغ حاصل ہوتا ہے جب تک کہ وہ اپنی زبان یا عمل سے اس بیوی یا شوہر کی رفاقت پر رضامندی کا اظہار نہ کرے۔ مثلاً کہے کہ میں اس سے راضی ہوں یا لڑکا اپنی بیوی کا یا عورت اپنے شوہر کا بوسہ وغیرہ لے لے یا ایسی کوئی بھی حرکت کر گزرے جو میاں بیوی کے درمیان ہی

ہو سکتی ہے اب اس کا اختیار ختم ہو جائے گا اور نکاح لازم ہو جائے گا۔

”ولا یبطل خيار البلوغ مالم یقل رضیث أو یجعی منه ما یعلم انه رضاء وكذلك

الجارية اذا دخل بها الزوج قبل البلوغ.“ (الهدایہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۷)

ہاں اگر بالغ ہونے کے بعد بھی کنواری لڑکی کو اپنے نکاح کی اطلاع ہی نہ ہو تو نکاح کی اطلاع تک اس کا اختیار باقی رہے گا اور جو نہی اطلاع ہوئی اسی لمحہ اس کو اس نکاح سے اپنی ناراضگی کا اظہار کر دینا ضروری ہے:

”وان لم تعلم بالنکاح فلها الخيار حتی تعلم فتسکت.“ (هدایہ، جلد ۲، صفحہ ۲۹۷)

ان میں سے کوئی بھی اگر اس لئے ”خيار بلوغ“ کا استعمال نہ کر سکے کہ وہ اس حق سے واقف ہی نہ تھا اور اسے معلوم ہی نہ تھا کہ ”خيار بلوغ“ کیا چیز ہے تو بھی فقہاء اس کے لئے کوئی گنجائش فراہم کرنے کے کو تیار نہیں ہیں اس کی یہ ناواقفیت معتبر نہ ہوگی حق ختم ہو جائے گا اور نکاح لازم ہو جائے گا۔

”ولا تعذر بالجهل والجهل ليس بعذر في حقها“ (شرح وقایہ، جلد ۲، صفحہ ۲۴)

اس کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ عورت قاضی کی طرف رجوع کرے کہ اس کا نکاح نابالغی میں ہوا تھا۔ پھر بالغ ہوتے ہی اس نے اس پر اپنی عدم آمادگی کا اظہار کر دیا ہے اور اب وہ چاہتی ہے کہ اسے اس مرد سے کلی خلاصی دے دی جائے پھر جب قاضی فیصلہ کر دے تو اب اس کا نکاح رد ہو جائے گا۔ البتہ اس میں یہ سہولت ہے کہ اگر اپنی عدم آمادگی پر گواہ بنا لیا تھا تو چاہے ایک مدت مثلاً ماہ دو ماہ کے بعد قاضی سے رجوع کرے تو اس کو ”خيار بلوغ“ کی بنا پر نکاح رد کرنے کا حق حاصل رہے گا اور تاخیر کی وجہ سے اس کا یہ حق ساقط نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اس دوران اس نے شوہر کو اپنے نفس پر قدرت نہ دی ہو۔

”ابن سماعۃ عن محمد اذا اختارت نفسها وأشهدت على ذلك ولم تتقدم الى

القاضی شهرین فہی علی خيار لها مالم تمکنه من نفسها“ (الفتاویٰ الہندیہ، جلد ۲، صفحہ ۱۰)

باکرہ کا اختیار کب ختم ہوگا؟

اس میں دو مسئلے ایسے ہیں جو قابل توجہ ہیں اول یہ کہ باکرہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی گواہ بنا لے

اور لمحہ بھر خاموشی بھی اس کے اختیار کو ختم کر دے گی۔ یہاں تک کہ اگر تاخیر ہو جائے تو یہ ”ناکردنی“

بھی کرے کہ جھوٹ کہہ دے کہ ابھی ابھی بالغ ہوئی ہوں۔

حالانکہ ثیبہ اور لڑکے کے مقابلے ایک باکرہ لڑکی کا اس طرح لوگوں کو اپنے بالغ ہونے پر گواہ بنانا اور اس کا اظہار کرنا بظاہر اس کی طبعی غیرت سے بعید معلوم ہوتا ہے تو شریعت نے نکاح پر رضامندی ہی کو اس کے لئے اتنا باعث شرم سمجھا تھا کہ اس کی خاموشی ہی کو رضامندی کا درجہ دے دیا گیا۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے فقہاء نے بالغ ہونے کے بعد اس کی خاموشی ہی کو نکاح پر رضامندی تسلیم کر کے خیار بلوغ کا حق ختم کر دیا۔ حالانکہ اس کی وجہ سے جو دوسرا اثر مرتب ہوا وہ اس سے زیادہ ناگفتنی ہے۔ اس کی غیرت و حیا سے بعید ہے اور شریعت کے اس مذاق و مزاج کے منافی ہے جو اس کی فطری حیا اور طبیعت کی رعایت کرنا چاہتی ہے۔ بالخصوص ہندوستانی لڑکیوں کا جو مزاج ہے اس کے تحت ان کا اپنے حق کو استعمال کرنا اور بھی دشوار ہے اور یہ طریق کار عملاً ان کے حق کو سلب کر لینے کے مترادف ہے۔

دوسری طرف یہ محض ایک ”اجتہادی“ اور قیاسی مسئلہ ہے کہ جس پر کوئی نص موجود نہیں ہے اور جس کی وجہ سے محض ایک اجتہادی اصول کی بنا پر نہ کہ کسی اضطرار اور شرعی ضرورت کے بنا پر کذب بیانی تک کی اجازت دینی پڑتی ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس مسئلہ میں ثیبہ اور لڑکوں کی طرح باکرہ لڑکیوں کو بھی اس وقت تک خیار بلوغ حاصل ہو جب تک کہ وہ صراحۃً یا عملاً اپنی رضامندی کا اظہار نہ کر دیں۔

خیار بلوغ سے ناواقفیت !

دوسرا مسئلہ یہ کہ اگر بالغ لڑکا یا لڑکی خیار بلوغ ہی سے واقف نہ ہوں، تو اس کی اس ناواقفیت کو عذر نہیں تسلیم کیا جائے گا اور اس ناواقفیت کی وجہ سے اگر وہ کوئی ایسا عمل کر گزرے جو زوجین ہی کے درمیان جائز ہے تو خیار بلوغ کا حق ختم ہو جائے گا..... یہ بھی محض ایک اجتہادی رائے ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ ہمارا ملک ”دار العلم“ ہے اس لئے جہل کا اعتبار نہ ہوگا۔

”والدار دار العلم فلم تعذر بالجهل“ (ہدایہ، جلد ۲، ۲۹۷)

اس کے برخلاف اگر کسی عورت کا نکاح غلامی کی حالت میں ہوا، پھر وہ آزاد کر دی گئی تو آزاد ہونے کے بعد اسے ”خیار عتق“ حاصل ہوتا ہے کہ عہد غلامی کے اس نکاح کو چاہے تو وہ باقی رکھے یا رد کر دے۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس خیار کا استعمال نہ کرے تو اس کا حق ساقط نہ ہوگا بلکہ باقی رہے گا اور ”جہالت“ کا عذر اس کے حق میں معتبر ہوگا۔ اس لئے کہ غلامی واپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اس کو یہ موقع ہی نہ مل سکا ہوگا کہ وہ اپنے اس شرعی حق سے واقف ہو۔

”بخلاف المعتقة لأن الأمة لا تتفرغ لمعرفة فعدرت بالجهل بثبوت الخيار.

“ (ہدایہ، جلد ۲، ۲۹۷)

خود صاحب ہدایہ کا استدلال بتاتا ہے کہ اصل میں یہ مسئلہ حالات اور عرف سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ وہ ایک ایسی جگہ سے تعلق رکھتے تھے جو دارالاسلام تھا اور اسلامی قانون اور شرعی احکام و حقوق سے عام لوگ بھی واقف ہوتے تھے، اس لئے انہوں نے بجا طور پر اس عذر کا اعتبار نہ کیا لیکن ہندوستان دارالکفر ہے اور خیار بلوغ جیسے دقیق مسائل کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ عام مسائل سے بھی لوگ ناواقف ہیں، خود صاحب ہدایہ نے باندیوں کے حق میں ”جہالت“ کو عذر تسلیم کیا ہے اس لئے کہ وہ طلب علم کے لئے اپنے آپ کو فارغ نہیں کر پاتی ہیں، موجودہ زمانے میں اور ہمارے ملک میں جس پسماندہ اور ناخواندہ طبقہ میں نابالغی کے نکاح کا ایک حد تک رواج ہے وہ عموماً مزدور پیشہ اور مفلوک الحال ہے اور تلاش معاش اور حصول روزگار میں وہاں کمسن بچوں کو بھی اس طرح جوت دیا جاتا ہے کہ وہ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں اور لڑکیوں میں تو گویا تعلیم کا تصور ہی نہیں ہے۔ ان حالات میں یہ بات عین مناسب ہوگی کہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ”جہالت“ کو ایک عذر تسلیم کر لیا جائے اور اگر ناواقفیت کی وجہ سے یہ بالغ ہونے والی لڑکیاں اپنی عدم آمادگی کا اظہار نہ کریں یا کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو عملاً رضامندی کو بتاتی ہو تو بھی ان کا حق باقی رہے اور اس کے باوجود بھی وہ قاضی کے ہاں فسخ نکاح کا استغاثہ کرنے کی مجاز ہوں۔

جہل ایک شرعی عذر!

ہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ ”جہل“ بھی ان امور سے ہے جن کو شریعت نے ایک عذر کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے، گو کہ فقہاء کے یہاں اس کی تفصیلات اور جزئیات میں اختلاف ہے تاہم فی الجملہ اس کا عذر ہونا سبھی نے تسلیم کیا ہے۔

خیار بلوغ تو بڑا اہم اور دور رس مسئلہ ہے جس کا دو آدمیوں کی زندگی پر پوری زندگی کے لئے اثر پڑتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ شریعت نے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ایسے شخص کو معذور سمجھا ہے جو اپنی جہالت کی وجہ سے خلاف شرع کام کر گزرے۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمیٰ کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ نماز کی حالت میں گفتگو اور بات چیت حرام کر دی گئی ہے وہ حضور ﷺ کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک شخص کو چھینک آئی کہتے ہیں میں نے کہا ”يَرْحَمُكَ اللَّهُ“ دیکھا لوگ مجھے آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ میں نے کہا ان کی مائیں ان کو نگل جائیں۔ کیا بات ہے کہ تم لوگ میری طرف گھور کر دیکھ رہے ہو؟ اب وہ رانوں پر ہاتھ مارنے لگے میں نے جو دیکھا تو وہ مجھے خاموش کر رہے تھے۔ خیر میں چپ ہو گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان کہ میں نے نہ آپ ﷺ سے پہلے آپ ﷺ کا سا معلم دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد، خدا کی قسم آپ ﷺ نے مجھ پر غصہ کیا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا بس یہ فرمایا نماز میں انسانی گفتگو مناسب نہیں اس میں تو تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی تلاوت ہونی چاہئے۔

اس طرح نماز جیسی عبادت میں کہ اگر فساد ہو جائے تو اس کا اعادہ چنداں دشوار نہیں، پھر بھی آپ ﷺ نے جہالت کو ایک عذر تسلیم کیا اور ان کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اسی بنا پر فقہاء کے ہاں اس میں بڑا توسع نظر آتا ہے کہ اگر کوئی عربی شخص غیر عربی زبان میں اپنی ناواقفیت میں طلاق، قسم، کلمہ کفر یا خرید و فروخت وغیرہ کا جملہ ادا کر دے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور حکم نہیں لگایا جائے گا۔

”لو جهل تحريم الخمر عذر ولم يحد“

”روزہ دار کو معلوم نہ ہو کہ کھانا ناقض صوم ہے اور ماحول ایسا ہو کہ یہ ناواقفیت بعید از قیاس نہ ہو تو روزہ نہ ٹوٹے گا۔“

”لو اكل الصائم جاهلا بالتحريم وكان يجهل مثل ذلك لم يفطر والا فطر“
جب ان معمولی مسائل میں ”جہل“ کا اعتبار ہے تو کیا یہ بات مناسب نہ ہوگی کہ خیار بلوغ جیسے اہم مسئلہ میں ہندوستان اور اس جیسے ممالک کے ماحول و سماج کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کو عذر

مان لیا جائے؟ (جدید فقہی مسائل، جلد ۳، صفحہ ۶۹ تا ۷۸)

مہر کا بیان!

(۱) مہر بیوی کا حق ہوتا ہے۔ نکاح میں اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں بلکہ بغیر مہر کے بھی نکاح صحیح ہے، لیکن مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے ذمہ مہر مثل واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۷۴)

(۲) مہر کی کم از کم مقدار دس درہم شرعی (یعنی تقریباً چار (۴) رتی، سات (۷) ماشہ اور دو (۲) تولہ چاندی) ہے۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۷۵)

زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ لیکن دو لہے کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

(۳) لڑکی کے ولی کو لڑکے سے مہر کے علاوہ کوئی اور مال لینا رشوت اور حرام ہے۔

مہر کی اقسام اور احکام!

(۱) مہر کی دو قسمیں ہیں۔ مہر مسمیٰ اور مہر مثل۔

مہر مسمیٰ وہ ہوتا ہے جو نکاح کے وقت مال (جیسے سونا، چاندی اور روپیہ وغیرہ) کی صورت میں خاص مقدار میں مقرر کیا جاتا ہے اور مہر مثل خاندانی مہر کو کہتے ہیں۔ یعنی باپ کے اقرباء میں جو عورت صورت، عمر اور دین داری وغیرہ میں ہم مثل ہو۔ اور ایک شہر میں رہنے والیاں ہوں تو اس کے نکاح میں جتنا مہر مقرر کیا گیا ہو وہی اس کا مہر مثل ہوگا۔

(۲) نکاح صحیح ۳ ہو جانے کے بعد، مہبستری یا خلوت صحیحہ کے ساتھ پورا مہر واجب الادا ہوتا

۱۔ یعنی ماں کے اقرباء اور اس کے قبیلہ کی عورتوں کے مہر کا اعتبار نہیں بلکہ باپ کے گھرانے کی عورتیں مراد ہیں۔ جیسے عورت کے باپ کی بہن پھوپھی، چچا زاد بہن وغیرہ البتہ اگر ماں بھی باپ کے خاندان میں سے ہو تو پھر اس کا مہر مثل بھی معتبر ہوگا۔

۲۔ یعنی دونوں عمر، خوب صورتی، کنوار پن، مال داری، سمجھ داری اور دین داری میں ایک جیسی ہوں اور ایک ہی شہر کی بسنے والی ہوں۔ یعنی نکاح فاسد کے حکم میں نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا حکم آگے آئے گا۔

۳۔ خلوت صحیحہ سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں ایسی جگہ میں تنہائی میں یکجا ہو جائیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ چاہے مہر مسمی ہو یا مہر مثل۔ اسی طرح شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کی موت سے بھی پورے مہر کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ خلوت صحیحہ بھی نہ ہوئی ہو۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۲۹۱)

(۳) اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اگر زوجہ کو دخول یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ہو گئی تو شوہر نصف مہر واپس لینے کا حق رکھتا ہے لیکن وصول حق جبراً نہ ہوگا۔ بلکہ بیوی کی رضا مندی یا قاضی کے حکم سے وصول کیا جائے گا۔ (الدر المختار مع تنویر الابصار: جلد ۲، صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲)

(۴) اگر نکاح کے وقت کوئی مہر مسمی اور مقرر نہیں کیا گیا اور زوجہ کو ہمبستری سے پہلے یا خلوت صحیحہ سے قبل طلاق مل گئی ایسی صورت میں نصف مہر کے بجائے مطلقہ زوجہ کو ایک متوسط درجہ کا جوڑا دینا واجب ہے جو کہ مرد کی حیثیت کے موافق اور عورت کی حیثیت کے مناسب ہو۔ (شامی: جلد ۲، صفحہ ۳۳۵)

(۵) اگر نکاح فاسد کی وجہ سے بیوی اور شوہر میں جدائی کی جائے تو جب تک جماع نہ کیا ہو (اگرچہ خلوت صحیحہ بھی مل گئی) اس وقت کچھ مہر وغیرہ شوہر کی ذمہ لازم نہیں اور اگر نکاح فاسد کے بعد جماع بھی کیا ہے تو مہر مسمی کے بجائے مہر مثل لازم ہوگا البتہ اگر مہر مسمی مہر مثل سے کم ہو تو پھر وہی مہر مسمی دیا جائے گا۔ (تنویر مع الدر المختار: جلد ۲، صفحہ ۳۵۱-۳۵۰)

(۶) اگر مہر میں کوئی جائز شرط طے کی گئی جس میں بیوی اس کے اقارب کا نفع ہو تو اس شرط کی پوری ہونے کی صورت میں تو وہی مقررہ مہر دینا ہوگا۔ اگر شرط کی رعایت نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ ہاں! اگر مقررہ مہر مہر مثل سے کم ہو تو پھر وہی مہر مسمی دیا جائے گا۔ (عالمگیری، جلد ۱، صفحہ ۳۰۸)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) جہاں جماع سے روکنے اور منع کرنے والی کوئی بات نہ ہو اور اگر ایسی کوئی بات موجود ہو جیسے دونوں میں سے کسی کا رمضان کا روزہ ہو یا دونوں میں سے کسی نے حج کا احرام باندھا ہو یا عورت حائضہ ہو یا یکجائی کی جگہ ایسی ہو جہاں سے کوئی دیکھتا ہو وغیرہ تو ایسی صورت میں خلوت، خلوت صحیحہ نہیں کہلائے گی اور ایسی تمام صورتوں میں یکجائی اور خلوت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ایسی خلوت پر پورا مہر واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر زوج نامرد ہے تو ایسی خلوت صحیحہ (یعنی جس میں اور کوئی مانع نہ ہو) کی صورت میں بھی پورا مہر واجب الادا ہوگا۔

۱۔ مہر میں ناجائز شرط تو لغو ہے۔ البتہ جائز کی گنجائش ہے۔ مثلاً یہ شرط لگائے کہ اتنے مہر پر اس لئے دیتا ہوں کہ وطن سے باہر نہیں لے جاؤ گے یا اس کو ماں باپ کے گھر سے جدا نہیں کرو گے وغیرہ۔

(۷) عورت کو اختیار ہے کہ اپنے مہر سے بعض یا پورا کا پورا معاف کر دے اگرچہ شوہر اس کی معافی کو قبول بھی نہ کرے۔ تب بھی مہر معاف ہوگا اور شوہر سے معاف شدہ کا دوبارہ مطالبہ نہ ہوگا۔ وہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہے۔ (بدائع الصنائع: جلد ۲، صفحہ ۲۹۵)

(۸) بالغہ کو اپنا مہر معاف کر دینے کا حق ہے اور معاف کر دینے کے بعد ولی کو یہ حق نہیں کہ وہ مزاحمت کرے۔ البتہ معاف کرنا صرف برائے نام نہ ہو، واقعی ہونہ کہ شوہر کے جبر سے۔ جیسا کہ بعض علاقوں میں یہ مذموم رواج ہے۔

(۹) اگر ولی کسی نابالغہ کا مہر مسمیٰ سے بعض یا پورا معاف کر دے تو یہ معافی صحیح نہیں، اگرچہ اس کا باپ کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر لڑکی بالغہ ہے اور وہ اپنے باپ کے معاف شدہ کو منظور کرے تو معافی درست ہوگی ورنہ نہیں۔

نکاح کافر کا بیان!

(۱) اگر بیوی شوہر دونوں کافر تھے۔ پھر دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں۔ تو ان کو نکاح سابق پر برقرار رکھا جائے گا بشرطیکہ منکوحہ محرمات میں سے نہ ہو۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۲، ۳۸۷)

(۲) اگر صرف شوہر مسلمان ہو جائے تو اگر اس کی بیوی اصل سے کتابیہ ہے تو بھی نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اگرچہ وہ اصل کتاب کا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرے مثلاً نصرانیہ سے یہودیہ ہو جائے یا بالعکس۔ اسی طرح جب مرد مسلمان ہو جائے تو اسی وقت مجوسیہ بیوی اہل کتاب کا مذہب قبول کرے تو بھی نکاح بدستور قائم رہے گا۔ (تنویر: جلد ۲/۳۸۹)

(۳) شوہر مسلمان ہو جائے۔ اس کے بعد کافرہ بیوی کو بھی اسلام کی ترغیب دی جائے گی۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو دونوں نکاح سابق پر برقرار رکھے جائیں گے۔ اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دے تو قاضی کے حکم سے نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: جلد ۲، صفحہ ۳۳۶)

اور اگر اس طرح کا واقعہ دارالاسلام کے بجائے دارالحرب میں ہو تو وہاں عورت پر تین حیض گزر جائیں اگر عورت کو حیض نہیں آتا تو تین ماہ کے بعد نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا اور اس مدت کے اندر اندر مسلمان ہوگئی تو بھی دونوں نکاح سابق پر رہیں گے۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۳۳۸)

(۴) اگر دونوں میاں بیوی مسلمان تھے پھر معاذ اللہ دونوں ایک ساتھ مرتد ہو گئے پھر دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو بھی نکاح بحال قائم رہے گا۔ (ہدایہ، جلد ۲ ص ۳۲۷)

(۵) اگر صرف عورت مسلمان ہو جائے مرد اپنے کفر پر باقی رہے تو اس پر بھی قاضی اسلام پیش کر دے گا۔ اگر مسلمان ہو جائے تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اگر وہ اسلام سے انکار کر دے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۳۳۶)

اور اگر یہ واقعہ دارالحرب میں پیش آئے تو تین حیض یا اگر حائضہ نہ ہو تو تین ماہ گزر جانے سے پہلے پہلے اس کا خاوند بھی مسلمان ہو جائے۔ پھر بھی دونوں نکاح سابق پر برقرار رہیں گے اور تین حیض گزر جانے کے بعد نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ (بدائع، جلد ۲، صفحہ ۳۳۸)

(۶) مرد اور عورت میں کسی ایک کے مرتد ہو جانے سے نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے۔ (تنویر الابصار، جلد ۲، صفحہ ۳۹۲)

(۷) اگر عورت اسلام سے پھر کر مرتد ہو جائے۔ اگرچہ کتابیہ بن جائے پھر بھی نکاح سابق باطل ہو جائے گا لیکن عورت کے مرتد ہو جانے کے بعد عورت بدستور سابق خاوند کے قبضہ میں رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اور اس وقت تک اس کا خاوند اس سے ہمبستری نہ کرے گا اور نہ اس سے ایسا کوئی فعل کرے گا جو جماع کی طرف لے جانے والا ہو۔ مثلاً بوسہ لینا وغیرہ۔

اگر وہ دوبارہ اسلام لائے تو شوہر اس کے ساتھ تجدید نکاح تھوڑے مہر میں جو کہ دس درہم شرعی سے کم نہ ہو، کر سکتا ہے۔ خواہ اس عورت کی مرضی ہو، یا نہ ہو۔ البتہ اگر شوہر خود اس کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت دے تو ایسی صورت میں وہ دوسری جگہ بھی نکاح کر سکتی ہے۔ (تنویر الابصار مع رد المحتار: ۲/۳۹۲)

نکاح اور شادی کے سنن و آداب!

اب نکاح اور شادی کے سنن اور اس کے ضروری آداب کا خلاصہ ملاحظہ کیجیے۔

(۱) رشتہ کی تلاش میں دین داری اور حسن اخلاق کو اولین ترجیح دیا کریں۔ (مشکوٰۃ: ۲/۲)

جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو۔ اگر دیکھی بھالی بالکل نہ ہو تو اگر ہو سکے پیام دینے سے

پہلے ایک نظر دیکھ لیا جائے اور یہ مقصد قابل اعتماد عورتوں کے دیکھنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔ پھر پیام دینے سے قبل اس رشتہ کے لئے استخارہ بھی کریں۔ (تنویر الابصار، جلد ۲، ص ۲۶۲-۲۶۱)

(۲) اگر کسی عورت سے نکاح کا کسی دوسرے مرد کی طرف سے پیام دیا جا چکا ہے تو جب تک وہ اس کو رشتہ دینے سے انکار نہ کر دے اور بات ٹوٹ نہ جائے۔ اس کے لئے پیام دینا ناجائز اور ممنوع ہے۔ (الفقہ الاسلامی ادلتہ، جلد ۷، صفحہ ۱۱)

(۳) نکاح خفیہ نہ ہو بلکہ کچھ لوگوں کے سامنے ہو بلکہ اچھی بات یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے۔ (عمدة القاری، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰۰)

نکاح کے وقت خطبہ بھی مسنون ہے۔

(۴) دعوت ولیمہ میں جو میسر آئے کیا جائے۔

(۵) دعوت ولیمہ میں فقراء کو بھی بلایا جائے۔

(۶) نکاح و شادی ہلکی پھلکی ہونی چاہیے بے جا اخراجات سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(۷) جس کی شادی ہوئی ہے اس کو مبارک باد دے اور بہت اچھا یہ ہے کہ یوں کہا جائے:

”بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ“

”یعنی اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کر دے تم دونوں میں برکت نازل فرمائے اور خیر اور بھلائی میں

دونوں کو ہمیشہ متفق و مجتمع رکھے۔“ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، عن ابی ہریرۃ، مشکوٰۃ، کتاب الدعوات

، باب الدعوات فی الاوقات)

(۸) نکاح میں ایسی رسومات سے پرہیز کیا جائے۔ جو شریعت کے متصادم ہوں اور جو شریعت کے

احکام پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہوں نیز وہ رسوم ایسی نہ ہوں جن کے کرنے پر معاشرہ کے طعن وغیرہ سے

مجبور ہو جیسا کہ جہیز وغیرہ۔

عورت سے ملنے اور مباشرت کے متعلق ہدایات و احکام!

(۱) جب عورت کے پاس پہلی مرتبہ جائے تو اس کے پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعا کہے:

”اللهم انی اسئلك خیرها وخیر ما جبلتها علیہ واعوذ بک من شرها وشر ما جبلتها علیہ“
 ”اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس فطرت پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اس کی بھلائی چاہتا ہوں۔ اور میں اس کے شر سے اور اس کی فطرت کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تو اس سے میری حفاظت فرما۔“
 (۲) جب صحبت کا ارادہ کرے تو یہ کہے:

”بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا“

”میں اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا۔“ (ابوداؤد، مشکوٰۃ، کتاب الدعوات)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جو شخص صحبت کے وقت یہ دعا پڑھے گا اور اس مباشرت سے جو بچہ پیدا ہوگا تو شیطان کبھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور ہمیشہ شیطان کے شر سے حفاظت میں رہے گا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، کتاب الدعوات)

(۳) مباشرت اور جماع کے راز کو بیان کرنا حرام ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ آدمی بدترین ہوگا جو بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کا راز فاش کرے۔ (مسلم، مشکوٰۃ)

یہی حکم عورت کے لئے بھی ہے کہ وہ صحبت کے راز کو افشاء نہ کرے۔

(۴) اپنی بیوی کو جس طرف سے بھی آئے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ خلاف فطرت صحبت کرنا حرام اور شدید جرم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبْرِهَا“

”جو شخص بیوی کے ساتھ خلاف وضع فطرت عمل کرے وہ ملعون ہے۔“

یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور قہر و غضب کے قریب ہے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد، کذا فی مشکوٰۃ)

خلاف وضع فطرت حرکت کے متعلق بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ بلاشبہ جو شخص خلاف فطرت طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا ہے وہ حیوانات سے بھی بدتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرمائے۔

چار بیویوں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت!

عورت پر بہت سے دن ایسے آتے ہیں جس میں وہ خاوند کے قابل نہیں ہوتی۔ جیسے ایام حیض میں اور وضع حمل کے بعد ایک طویل عرصے تک اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ استقرار حمل کے بعد بچے کی صحت و حفاظت کے لئے ایک طویل مدت تک خاوند سے بچنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ بہت سے آدمی ایسے ہوتے ہیں جو اپنی طبیعت اور مزاج اور بہت سے اپنی بیوی کے ان مخصوص حالات کی وجہ سے ایک بیوی پر قانع نہیں ہو سکتے۔ اگر ان کو ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ دی جائے تو اس سے بڑا خطرہ یہ ہوگا کہ وہ حرام میں مبتلا ہوں گے، بلکہ اکثر علاقے ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ وہ لڑائیوں اور جنگوں میں قوم کے مرد ہی مر جاتے ہیں جس کی وجہ سے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو ایسے حالات میں ایک سے زائد بیویاں ایک اخلاقی اور تمدنی ضرورت بن جاتی ہے۔ اگر ایسے حالات میں ایک سے زائد بیویوں کی اجازت نہ ہوتی تو عورتوں کی شرح زائد ہونے کی وجہ سے وہ زائد عورتیں بے شوہر ہو کر رہ جاتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر نکاح سے باہر منفی بد امنی پھیلائیں گے اور بد اخلاقی میں مبتلا ہو کر دنیا و آخرت کو برباد کر دیں گے۔ اس لئے دین جو کہ ایک دین فطرت ہے، اس نے ایک طرف عفت و پاک بازی کو قائم رکھنے اور زنا اور فحاشی کے انسداد کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی۔ تو دوسری طرف مناسب شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کو بھی نکاح میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔

زوجات یعنی بیویوں میں برابری کا بیان!

خلاصہ یہ کہ دین اسلام ایک فطری اور اللہ تعالیٰ کی علیم و حکیم ذات کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اس کا ہر حکم اور ہر ہدایت اس کے لامحدود علم اور عدل و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اسلام نے بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس اجازت کے ساتھ ساتھ اس

بات کو بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرتا ہے تو وہ ان کے درمیان عدل و انصاف قائم کرے۔ اگر وہ عدل قائم نہ رکھ سکے تو پھر وہ ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾

”اگر تمہیں خطرہ ہو کہ (متعدد بیویوں میں) انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک عورت ہی سے نکاح کرو۔ (سورۃ النساء: ۳)

اس آیت کریمہ میں بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کو واجب قرار دیا گیا ہے اور جو شخص عدل و برابری کی قدرت نہیں رکھتا اس کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایک ہی بیوی رکھے۔ متعدد بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اگرچہ واجب اور ضروری ہے لیکن یہ برابری کن چیزوں میں ضروری ہے۔ اس کی ہدایت ایک دوسری آیت میں یوں بیان ہوئی ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَذَرُوهَا

كَالْمُعَلَّقَةِ﴾

”اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ تم اپنی بیویوں کے درمیان کامل طور پر عدل کر سکو۔ اگرچہ تم اس (عدل و برابری) کے بڑے خواہش مند بھی ہو۔ (کیوں کہ دل کے میلان پر کسی کو اختیار نہیں) پس ایسا نہ کرو کہ کسی ایک بیوی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۳۰)

مطلب یہ ہے کہ متعدد بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کا جو حکم ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیویوں کے ساتھ دلی محبت میں یکسانیت ہو کیوں کہ یہ تمہاری طاقت و اختیار سے باہر ہے، خواہ اس طرح انصاف کے کتنے ہی حریص کیوں نہ ہوں کہ ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے ان میں برابری کر سکو۔ پھر بھی یہ تمہارے لئے ممکن نہیں۔ کیوں کہ بیویوں کے درمیان قلبی میلان و محبت میں فرق ہو سکتا ہے۔ البتہ عدل و انصاف کی جو صورت ضروری ہے۔ اس کا تعلق ظاہری سلوک کے ساتھ ہے۔ اگر دل کا میلان تمہارے اختیار میں نہیں تو ظاہری سلوک اور برابری تو تمہارے اختیار میں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اگر بیوی سے محبت زیادہ

ہو تو ظاہری سلوک اور اختیاری امور میں بھی امتیازی سلوک کر کے اس کی طرف جھک پڑو۔ اس طرح تو دوسری بیوی لٹکی رہ جائے گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اور برابری ان باتوں میں ضروری ہے جو آدمی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ مثلاً: ایک طرح کا لباس، ایک طرح کھانے پینے کا انتظام اور ایک ہی طرح کے مکان وغیرہ جیسے ظاہری برتاؤ میں برابری ضروری ہے اور جو یہ برابری نہیں کرتا وہ سخت گناہ گار ہے۔ اس غیر منصفانہ برتاؤ کا اسے عذاب ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشِقَّةٌ سَاقِطَةٌ“

”جب کسی آدمی کی دو (یا زیادہ) بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل و انصاف اور برابری کا برتاؤ نہیں کرتا، قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑا گرا ہوا ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ وغیرہ)

بیویوں میں برابری کے مسائل!

(۱) جس شخص کی کئی بیویاں ہوں تو ان کی خوراک، زیور، جائے رہائش اور شب باشی وغیرہ میں برابری اور عدل کرنا واجب ہے۔ اس برابری میں بیوہ، کنواری، پرانی اور نئی سب کی سب برابر ہیں۔ اس برابری اور عدل کو ترک کرنے والا عاصی گناہ گار اور فاسق ہے۔ جتنی راتیں ایک کے ساتھ رہے، دوسری کے ساتھ بھی اتنی ہی راتیں رہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اگر ایک کے پاس مغرب کے بعد جاتا ہے تو دوسری کے ہاں بھی مغرب کے بعد جایا کرے۔ بلا ضرورت دیر نہ کرے، ورنہ گناہ گار ہوگا۔ یہ برابری رات کے ساتھ خاص ہے۔ اگر دن کے وقت کسی کے پاس زیادہ رہا تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر کوئی رات کے وقت اپنے کام پر جاتا ہو اور دن کو گھر میں رہتا ہو تو پھر دن میں بھی برابری کا خیال رکھا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی زوجہ اپنا حق ساقط کر دے تو پھر گناہ گار نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۳۳۲، عالمگیری، باب فی القسم، تنویر الابصار مع الدر المختار، جلد ۲۲، ۴۰۲)

(۲) صحبت کرنے میں برابری ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے کیوں کہ جنسی خواہشات کا ابھار کہیں زیادہ ہو سکتا ہے کہیں کم لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی ایک کو بالکل محروم کر دے، بلکہ کبھی کبھی صحبت کرنا ضروری ہے۔

(۳) دلی محبت چونکہ دل کی چیز ہے، اس میں بھی برابری شرط نہیں۔ جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ البتہ ظاہری رویہ سب کے ساتھ ایک جیسا ہونا چاہئے۔

(۴) سفر میں برابری کی ضرورت نہیں۔ شوہر کو اختیار ہے کہ سفر میں جس بیوی کو چاہے پاس رکھے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے یا ان کے درمیان رضامندی کا کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے مثلاً باری باری لے جایا کرے۔ جس سے ظاہری طور پر بیویوں کے درمیان زیادہ فرق محسوس نہ ہو۔

یاد رہے! کہ سفر سے بھی مراد وہ سفر نہیں جو سالوں کا ہو بلکہ مراد وہ سفر ہے جو پندرہ دن یا ایک دو ماہ کا سفر ہو ورنہ اس طرح دوسری بیوی لٹک جائے گی۔ (بدائع الصنائع، جلد ۲، صفحہ ۳۳۳)

میاں بیوی میں اختلاف کا بیان!

شوہر، بیوی کے لئے اور بیوی، شوہر کے لئے لباس یعنی پردہ حفاظت اور عزت ہے۔ قرآن مجید وحدیث میں شوہر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہو تو ممکن ہے کہ تمہیں اس میں ایک چیز ناپسند ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھی ہو۔

عورت کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ”اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ (بیوی اپنے بعض حقوق چھوڑ دے۔ اس طرح) میاں بیوی آپس میں صلح کر لیں اور صلح بہر حال بہتر ہے۔ (سورۃ النساء: ۱۲۸)

اگر کسی شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ اختلاف اور ناچاقی بڑھ جائے تو اس کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے اور اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے چند مراحل کی ہدایت فرمائی ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ جن عورتوں سے سرکشی کا خطرہ ہو تو شوہر کو چاہئے کہ ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ وہ انہیں نصیحت کرے اور اس نصیحت میں حسب ضرورت ڈانٹ ڈپٹ بھی شامل ہے۔ اگر وہ سمجھ جائے تو بہتر ورنہ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ

﴿واھجر وھن فی المضاجع﴾ انہیں بسترے سے جدا کرو۔ اور اس سے بے رخی اختیار کرو تا کہ سمجھ جائے کہ یہ بے رخی آخری حد تک بھی جاسکتی ہے۔ پھر اگر وہ نہ سمجھے پھر تیسرا مرحلہ ہلکی سی پٹائی ہے۔ ﴿واضر بوھن﴾ انہیں (ہلکی مار) مارو۔ یعنی ایسی مار جس کی وجہ سے داغ بن جائے۔ (حدیث) اب اگر اس سے بھی راہ راست پر نہیں آرہی ہے اور حالات اور زیادہ بگاڑ کی طرف جانے لگیں۔ ایسی صورت میں چوتھا مرحلہ اور صلح کی آخری صورت یہ ہے کہ:

﴿فابعثوا حکما من اھلہ و حکما من اھلھا﴾

”ایک منصف اور ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک منصف اور ثالث عورت کے خاندان سے مقرر کریں۔ تاکہ پوری خیر خواہی کے ساتھ دونوں کے حالات کا جائزہ لیں۔ دونوں کی باتوں کو سنیں اور کوشش کریں کہ ہر سر پرست اور ہر منصف و ثالث اس کو سمجھائے جس کی وہ نمائندگی یا سر پرستی کر رہا ہے۔ اگر دونوں پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ ان کے درمیان صلح کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی یہ محنت اور کوشش رنگ لائے گی۔ بیوی کا گھرا جڑنے سے بچ جائے گا اور آئندہ الفت و محبت کے ساتھ زندگی گزاریں گے لیکن اگر خدا نخواستہ آپس میں رہنے سہنے کے تمام طریقے غیر مفید ثابت ہو جائیں اور جدائی کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ کار گرنہ رہے۔ تو بالآخر طلاق اور جدائی کا مرحلہ آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب طبائع میں اس قدر اختلاف ہو کہ ان کے درمیان اصلاح اور صلح کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہ رہے۔ ایسی صورت میں ان پر رشتہ مسلط رکھنا ظلم ہے ایسی صورت میں بھی اگرچہ مرد کو طلاق کی اجازت دے دی گئی ہے۔ مگر اس کو ہدایت کی گئی کہ طلاق مباح اور جائز ہونے کے باوجود سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔ (سورۃ النساء: آیت ۳۴ تا ۳۵)

زیر طبع

کتاب الزکاة

تالیف

حضرت مولانا مفتی
شاہ صاحب العالیہ
سید مختار الدین
برکاتہم
دامت

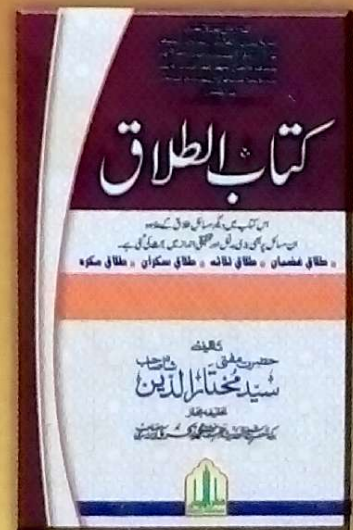
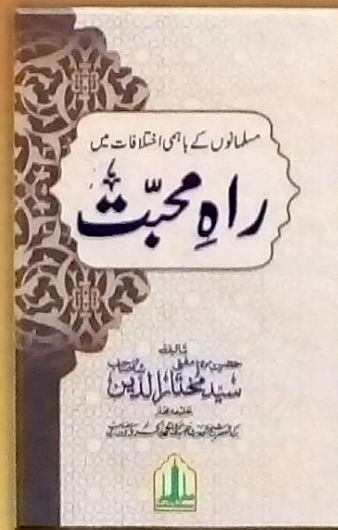
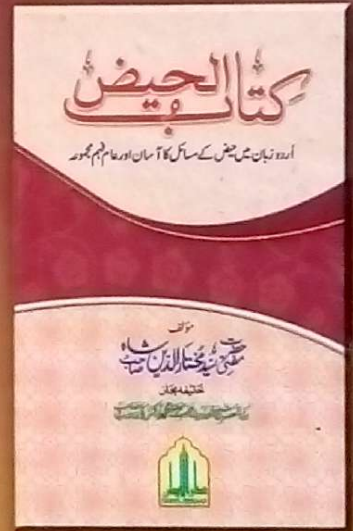
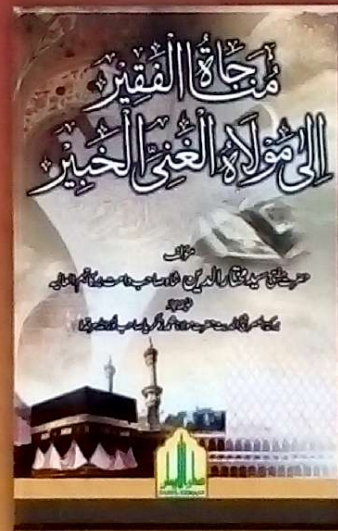
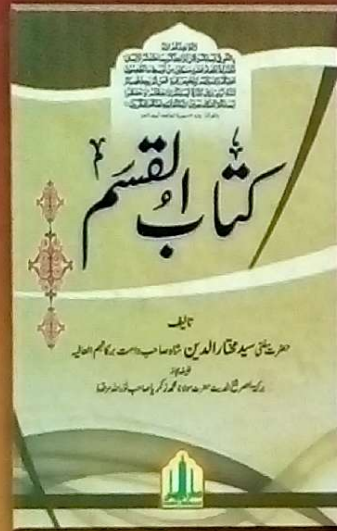
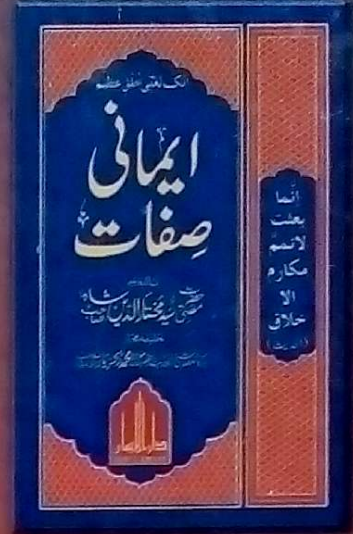
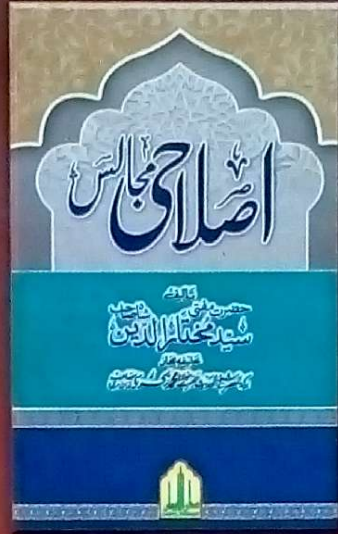
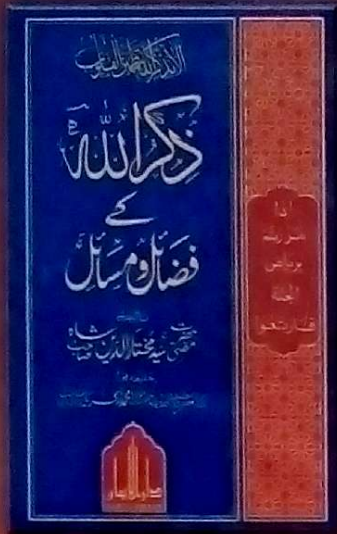
خلفہ مجاز

برکۃ العصریح الحدیث حضرت مولانا محمد زکی
رہمۃ اللہ مرقدہ



حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

کی دیگر تصانیف



www.daruleeman.com